کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:10 Issue:3 March 2017

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	ترا بھید کوئی نہ پاسکا نہ مقام کوئی بتا سکا	مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	تین مختصر؛ مگر جامع نصیحتیں	حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ	۷
پیشِ گفتار	آواز دل در آغوشِ حرم قسط دوم	مدیر	۱۱
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین، تذکرہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ	مولانا مفتی رفیع حنیف قاسمی	۱۹
مجالس نبوی	یہودی بدبخت نے آپ ﷺ پر جادو کردیا	مولانا الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی	۲۲
دعوتِ فکر وعمل	علماء و مصلحین امت کے اوران کے فتنے	حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ	۲۴
لمحہ فکریہ	طارق فتح؛ اپنے باطل افکار ونظریات کے آئینہ میں	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۲۸
تعاقب فرق باطلہ	امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قیام کی ذمہ داری	مولانا محمد کبیر الدین قاسمی	۳۳
فکر ونظر	قومی یک جہتی کی تفہیم وتوسیع میں علماء دیوبند کا کردار	مولانا ابرار احمد اجراوی	۳۷
تبصرہ	مجالس نبوی ﷺ	مدیر	۴۵
"	جنگ میں اسلامی اخلاق	م،ع،ق	۴۵
"	خدمت خلق، فضیلت، اہمیت، ضرورت	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۴۶
فقہ وفتاویٰ	چند متفرق مسائل	ادارہ	۴۸
خبرنامہ	عالمِ اسلام کی خبریں	مولانا ابوالولید قاسمی	۵۰

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

ترا بھید کوئی نہ پاسکا نہ مقام کوئی بتا سکا

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ　بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾ (سورۃ الانعام)

ترجمہ: نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ اس کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ بڑا باریک بیں اور پورا باخبر ہے۔

تشریح: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے، نہ بندہ اس کو اپنی احاطۂ علم میں لاسکتا ہے اور نہ احاطۂ رویت میں اور نہ اس کی حقیقت تک کسی کی مکمل رسائی ہوسکتی ہے، کیوں کہ اپنے محدود علم، محدود قوتِ بصارت سے ایک لامحدود ذات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ہے، جہاں تک دیدارِ باری تعالیٰ کا سوال ہے ہمارے نبی صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر پر ہمیں کامل درجہ اعتماد اور مکمل بھروسہ ہے، خود باری تعالیٰ کا فرمان بھی ہے للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ نیک کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے کاوشوں کی قدر فرما کر الحسنیٰ بہتر صلہ بھی دے گا، اس کے علاوہ وہ اپنی شان کے مطابق مزید براں عطا کرے گا، یہ مزید کیا ہے؟ مسلم شریف کی روایت کے مطابق جب اہل جنت جنت میں داخل ہوجائیں گے تو باری تعالیٰ اہل جنت سے سوال فرمائیں گے کہ ان نعمتوں کے علاوہ بھی کچھ اور چاہت ہے؟ اس پر اہل جنت عرض کریں گے، اے اللہ! کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ آپ نے ہم کو جنت میں داخل کیا اور جہنم کی کلفتوں سے نجات دی، اب اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوسکتی ہے؟ س پر اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے حجابات وا کرے گا عابد ومعبود، عاشق ومعشوق، محب ومحبوب کے درمیان سے پردے اُٹھیں گے تو اہل جنت کو سمجھ میں آئے گا کہ دیدارِ خداوندی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے، اُنھیں ساری نعمتیں اس کے مقابلے

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

میں ہیچ در ہیچ معلوم ہوں گی۔ ایسے ہی قرآن مجید میں ایک اور جگہ رویتِ باری تعالیٰ کا تذکرہ ہے، وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ، کہ روز قیامت کچھ ایسے روشن چہرے ہوں گے جن کو دیدار باری تعالیٰ کی نعمتِ عُظمیٰ کا شرف حاصل ہوگا۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ دیدارِ باری تعالیٰ برحق ہے لیکن اس نعمت عظمیٰ کا حصول اعمالِ صالحہ، رب کی مرضیات کے مطابق چلنے پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے ان نصیبہ ور لوگوں میں شامل فرمائے جن کو اس شرف سے مشرف فرمایا جائے گا۔

آیت کے دوسرے جز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ کا مطلب یہ ہے کہ ساری مخلوقات پر اس کی گہری نظر ہے، کوئی اس کی نظر کی گرفت سے باہر نہیں ہے، دنیا ومافیھا اس کے احاطۂ علمی میں ہے، یہ اس کی قدرتِ کاملہ اور قوتِ واسعہ ہے، لہذا بندوں کو اس بات کا استحضار ہونا چاہیئے کہ میں ہردم اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ہوں، باری تعالیٰ اس آیت میں اپنی اسی قدرت کا مظاہرہ بندوں کے سامنے کرنا چاہتا ہے، دیکھو میں اپنی ذات وصفات میں تنِ تنہا ہوں لیکن یہ میری قدرت ہے کہ تنہا رہتے ہوئے بیک وقت ساری مخلوق کو نہ صرف دیکھتا ہوں بلکہ ان کا ادارک بھی کرتا ہوں، ادراک کہتے ہیں "الوقوف علی کُنہ الشیئی" کسی چیز کی حقیقت کو پالینا، اور اللہ تعالیٰ کی یہی وہ قدرت ہے وہ اپنی ساری مخلوقات پر نظر رکھنے اور اس کا ادراک کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے قلب میں آنے والے وساوس کا بھی پتہ لگالیتا ہے۔

آیت کا تیسرا جز **وهو اللطيف الخبير** ہے لطف کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ رأفت ومحبت کا معاملہ کرتا ہے، دوسرا معنیٰ ادراک الخفاء ہر پوشیدہ بات کو اور ہر قسم کے وساوس کو جاننے والا ہے، وہ ان تمام چیزوں کا ادارک کرنے والا ہے، جن کا ادارک اور نگاہیں نہیں کرسکتی، وہ ہر عمل، کردار، پوشیدہ رازوں، خفیہ سرگوشیوں سے پورا باخبر ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کی نظروں میں رہنے کا استحضار نصیب فرمائے، اور ہم سب کے لئے اُخروی نعمتِ عُظمیٰ (یعنی دیدار الٰہی) مقدر فرمائے اور اس کے موجبات میں اپنی زندگی صرف کرنے کا حوصلہ نصیب فرمائے۔ آمین

ترا بھید کوئی نہ پاسکا نہ مقام کوئی بتا سکا
نہ نظر کسی کو بھی آسکا جو خلا نہاں ہے حباب میں

درس حدیث

تین مختصر، مگر جامع نصیحتیں

حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم *

عن أبي ذر و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ ﷺ قال: اتق اللّٰہ حیثما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحہا وخالق الناس بخلق حسن۔ (رواہ الترمذي برقم: ۱۹۸۷)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ وحضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم جہاں کہیں بھی رہو اللہ سے ڈرو، خطا ہو جانے کے بعد نیکی کرو کہ وہ برائی کو مٹا دیتی ہے اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ!

تشریح: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھ کو دوسرے انبیاء پر چھ باتوں میں فوقیت عطا کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اوتیت جوامع الکلم مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے یعنی اللہ نے مجھے ایسی باتیں بتلائی ہے اور میری زبان سے وہ باتیں کہلوائی ہے، جو اپنے الفاظ کے اعتبار سے بہت مختصر اور اپنے معنی کے اعتبار سے بہت جامع ہے۔

شراح نے جوامع الکلم کا مصداق قرآن پاک کی آیات کو بھی قرار دیا ہے؛ کیونکہ قرآن پاک آپ کو دیا گیا ہے جس کے بارے میں اوتیت کا لفظ آیا ہے، اس طرح ایک تو جوامع الکلم کا مصداق قرآن پاک کی آیات ہے ان کی جامعیت کا کیا کہنا؟ وہ تو سراپا معجزہ ہے، اسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات بھی ہیں جو جوامع الکلم کا مصداق ہیں؛ روایت میں ذکر کردہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تین وصیتیں بھی جوامع الکلم میں داخل ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

(۱) اتق اللّٰہ حیثما کنت: اللہ سے ڈرتے رہو تم جہاں کہیں بھی رہو! جہاں کہیں کے معنی میں بڑا عموم ہے خلوت میں رہو، جلوت میں رہو، اپنے متعارف لوگوں میں رہو یا اجنبی لوگوں میں رہو، مسجد میں رہو یا گھر اور بازار میں رہو، عبادت میں مشغول رہو یا دنیاوی کاموں میں لگے رہو، جس جگہ بھی ہو، جس حالت میں بھی ہو، جس

* مہتمم دارالعلوم دیوبند

کام میں بھی ہو ہر حال میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے، ہمارے ظاہر و باطن سے واقف ہے، ہم اپنے ان ظاہری اعضاء و جوارح کے ذریعے، ہاتھ سے، پیر سے، آنکھ سے، کان سے، زبان سے جو کچھ کرر ہے ہیں، ان کو بھی وہ دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، جان رہا ہے اور جو ہمارے اندر چھپے ہوئے بڑے گناہ ہیں؛ تکبر، حسد، بدگمانی وغیرہ، ان کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے خود اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ یعنی اللہ تعالیٰ نگاہوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور سینوں میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔

چوریاں آنکھوں کی، اور سینوں کے راز جانتا ہے سب کو تو اے بے نیاز

اس لئے ہمیشہ یہ بات پیش نظر رہے کہ کہیں کوئی کام مجھ سے ایسا صادر نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہو؛ چنانچہ تقویٰ کی بہترین تفسیر حضرت ابی ابن کعبؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کے استفسار پر بیان فرمائی (اِن کا سوال کرنا اور ان کا جواب دینا امت کی تعلیم کیلئے تھا ورنہ یہ بات نہیں تھی کہ حضرت ابی ابن کعبؓ جو بیان فرما رہیں ہے حضرت عمرؓ اسکو نہیں جانتے) حضرت عمرؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ سے پوچھا تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: امیر المومنین! کبھی آپ کا گذر ایسے راستے سے ہوا ہے جہاں دونوں طرف کانٹے دار جھاڑیاں ہو؟ فرمایا: ہاں! بارہا ہوا ہے، فرمایا: ایسے راستے سے گذرتے ہوئے کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: اپنے کپڑوں کو، اپنے بدن کو سمیٹ کر درمیان سے احتیاط سے نکل جاتے ہیں کہ کہیں کوئی کانٹا کپڑے کو نہ لگ جائے، بدن کو نہ چبھ جائے۔ فرمایا اسی کا نام تقویٰ ہے، نفس و شیطان کے مکر و فریب، خراب ماحول کے اثرات اور گناہ کی دعوت دینے والی نہ جانے کتنی چیزیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، ان کے درمیان سے اپنے دامن کو بچا کر نکلنا کہ کہیں کوئی گناہ نہ ہو جائے، اللہ کی نافرمانی نہ ہو جائے، اسی احتیاط اور اسی تیقظ کا نام تقویٰ ہے، تقویٰ کوئی الگ عمل نہیں جیسے نماز، روزہ اور زکاۃ ایک مستقل عمل ہے؛ بلکہ تقویٰ صرف اس کا نام ہے کہ ہر وقت اس پر نگاہ رہے کہ ہم سے کوئی غلطی نہ ہو جائے چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قلب اطہر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: التقوی ھھنا التقوی تقویٰ یہاں ہوتا ہے یعنی دل میں اللہ کا خوف ہو اور یہ خوف کیسا جو عظمت و جلال کے ساتھ ہو۔

ایک خوف چور ڈاکو سے ہوتا ہے، درندے سے ہوتا ہے اور ایک خوف اپنے شیخ سے، اپنے استاذ سے اور اپنے والد سے بھی ہوتا ہے کہ کوئی کام ہمارا ایسا نہ ہو جائے جس سے ہمارے استاذ، والد اور حضرت ہم سے ناراض ہو جائے، اللہ کے ساتھ اس طرح کا خوف ہو اس کی عظمت اس کے انعامات و احسانات اس کی جلالت قدر کو سامنے رکھتے ہوئے کہ ہم حقیر بندے ہیں، اس کی نعمتوں میں سر سے پیر تک ڈوبے ہوئے ہیں، اسکی بندگی کا

کیا تقاضہ ہے؟ اس کے خلاف کوئی کام ہم سے سرزد نہ ہوجائے۔

(۲) واتبع السیئة الحسنة تمحھا: دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ تم برائی کے بعد نیکی کرلیا کرو جو اس کو مٹادے۔ نامۂ اعمال میں ہر نیک اور بد عمل لکھا جاتا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸ قیامت کے دن جب انسان کا نامۂ اعمال سامنے آئے گا تو وہ کہے گا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قیامت کے دن انسان اپنے نامۂ اعمال کو دیکھے گا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ جب نامۂ اعمال سامنے رکھا جائے گا تو مجرمین کیا کہیں گے؟ یہ کیسا نامۂ اعمال ہے؟ یہ کیسی کتاب ہے؟ جس نے کسی چھوٹی بڑی کسی چیز کو نہیں چھوڑا، اس نے سب کو ضبط کرلیا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پوری زندگی کے تمام اعمال کو وہ اپنے سامنے موجود پائے گا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا پس تمہارا رب کسی پر زیادتی نہیں کرتا، جو کیا ہے وہی سامنے آئے گا؛ لہذا اس کو پیش نظر رکھنا ہے کہ جب کبھی گناہ ہوجائے فورا نیک عمل کے ذریعے اس کی تلافی کرلے علماء فرماتے ہیں کہ اس کو بھی دیکھنا چاہئے کہ کونسی بدی کو مٹانے کیلئے کونسی نیکی چاہیئے ایسا نہیں ہے کہ ہر بدی کو ہر نیکی مٹادے گی، نماز چھوڑی ہے اور نماز چھوڑ کر صدقہ کردے اس سے وہ نہیں مٹے گی کسی کا حق دبالیا اور روزہ رکھ لیا اسے وہ برائی نہیں ختم ہوگی۔ جس گناہ کے لئے شریعت نے جو نیکی متعین کی ہے وہ کرنا پڑے گا، قسم توڑی تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا، فجر میں آنکھ نہیں کھلی اور صبح ہوگئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من نام عن صلوة او نسیھا فلیصلیھا اذا ذکرھا اٹھ کے فورا نماز پڑھنا ہی اس کا کفارہ ہے؛ ہاں! کچھ ایسی بھی چیزیں ہیں جن کا کوئی متعین کفارہ نہیں جیسے زبان سے جھوٹ نکل گیا تو توبہ کرو، کچھ صدقہ خیرات کرلو، کوئی نیکی کرلو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

الغرض دوسری نصیحت کا حاصل یہ نکلا جہاں نامۂ اعمال میں برائیاں درج ہورہی ہیں تو ان کو مٹانے کے لئے نیکیوں کی بھی فکر کرو تاکہ نتیجہ کے طور پر نیکیوں کا پلہ بھاری رہے اور یہ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کا بہانہ بنے؛ کیونکہ کامیابی تو اللہ کی رحمت سے ہوگی ہمارے اعمال کے اندر کوئی دم نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ جب دیکھے گا کہ بندے نے اپنی طاقت بھر محنت کی ہے تو انکو رحم آجائے گا اور اپنی رحمت سے ان شاء اللہ بیڑا پار کردیں گے۔

(۳) وخالق الناس بخلق حسن: تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کیا کرو، اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ! اخلاق کا تعلق حقیقت میں قلب کی کیفیت سے ہے اور عمل سے اس کا اظہار ہوتا ہے ہم اپنے اندر شفقت پیدا کریں، محبت پیدا کریں، تواضع پیدا کریں، ایثار پیدا کریں، یہ اخلاق

حسنہ ہے اور پھر اپنے عمل سے اس کا اظہار کریں کہ بڑوں کے ساتھ احترام کا معاملہ ہو، چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ ہو، کمزوروں کے ساتھ امداد اور راحت رسانی کا رویہ ہو، اسی طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہاں تک فرمایا مسکراتے چہرے کے ساتھ کسی سے ملاقات کر لینا بھی ایک صدقہ ہے۔ اس لئے ہم اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں اور یہی وہ اچھے اخلاق ہیں جو قیامت کے دن نامۂ اعمال کے ترازو میں سب سے وزنی عمل بن کر آئیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن نامۂ اعمال کے ترازو میں سب سے وزنی چیز کیا ہوگی؟ اخلاق حسنہ! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میرے سب سے نزدیک وہ لوگ ہوں گے جو اچھے اخلاق والے ہوں اور اچھے اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ جب اخلاق کو متاثر کرنے والی کوئی چیز پیش آئے اس وقت آدمی اپنے آپ کو قابو میں رکھے، عام حالات میں تو ہر آدمی بڑا مسکرا کر بات کر رہا ہے، بڑی خوش مزاجی کے ساتھ پیش آرہا ہے؛ لیکن اسکے ساتھ کوئی زیادتی ہو جائے، کوئی بدتمیزی کر دے، کوئی گستاخی کر دے اس وقت دیکھا جائے گا کہ اس کے اخلاق کیسے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کو دیکھئے! پوری تاریخ پڑھ لی جائے، سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کر لیا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ما انتقم رسول اللہ ﷺ لنفسہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوری زندگی اپنی ذات کے سلسلہ میں کبھی انتقام نہیں لیا حالانکہ شریعت نے اجازت دی ہے **جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا** کہ جتنی زیادتی ہوئی اتنا بدلہ لیا جاسکتا ہے؛ مگر آپ نے اپنی ذات کے سلسلہ میں انتقام نہیں لیا، نبوت سے پہلے بھی نبوت کے بعد بھی، طائف کا معاملہ آپ کے سامنے ہے فرشتہ آکر کہتا ہے کہ آپ اجازت دیں کہ اس بستی والوں کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے! آپ فرماتے ہیں کہ میں تو یہ امید رکھتا ہوں کہ ان کی اولاد میں کوئی ایمان والا پیدا ہوگا، ایک موقع پر کسی نے کہہ دیا کہ یا رسول اللہ! فلاں کے لئے بددعا کر دیجئے آپ فرماتے ہیں کہ میں لعان بنا کے نہیں بھیجا گیا ہوں۔

پچھلی آسمانی کتابوں میں آپ کے تعلق سے کیا کہا گیا ما کان فاحشا و لا متفحشا کہ وہ فطرتاً بدگوئی کرنے والے ہوں گے نہ بہ تکلف بدگوئی کرنے والے ہوں گے، نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہوں گے، وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے درگذر سے معافی سے کام لیں گے یہی وہ صفات ہیں؛ جن کو سامنے رکھ کر اہل کتاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا امتحان لیا اور پہچان کر دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔

آج اخلاقی زبوں حالی کے اس دور میں اپنے اندر اخلاق نبوی پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں، تاکہ دین و دنیا میں سرفراز اور بامراد ہو سکیں۔

اللہ رب العزت ان جامع مختصر نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

پچھلے اداریئے سے متعلق ضروری وضاحت!

از: مدیر

میں نے گذشتہ شمارے کے اداریئے میں جماعتِ تبلیغ میں پیدا شدہ دو نظریاتی بُحران کی وجہ سے سوشل میڈیا پر رونما کشاکش سے متعلق کچھ باتیں تحریر کی تھیں، یہ باتیں دلی بے چینی کی وجہ سے دورانِ سفر قلم برداشتہ تحریر کردی گئی تھیں، اور بہت احتیاط ملحوظ رکھ کر کی گئی تھیں، اس تحریر کا مقصد نوجوان علماء کرام کو اظہارِ اختلاف اور احقاقِ حق میں حدود وآداب ملحوظ رکھنے کی تلقین اور دارالعلوم دیوبند کے فتوے کو جانب داری پر محمول کرکے اپنے مواقف کی تائید یا تردید میں استعمال نہ کرنے کی ترغیب تھا، کیوں کہ اس کی وجہ سے فتوے کا حقیقی مقصد فوت ہونے کا اندیشہ تھا، اس کے ساتھ ساتھ میں نے کام سے جُڑے علماء کرام سے آپسی انتشار کے بجائے کام کے اندر پیدا ہونے والے انتہائی قابلِ اصلاح امور کی جانب مخلصانہ توجہ فرمانے کی ادباً گذارش کی تھی؛ اس عاجز کا بس اتنا ہی مقصد تھا، جاریہ انتظامی اختلافات میں کون حق بجانب ہے اس کی تعیین اہل علم کا کام ہے، میری تحریر کا اس مسئلے کے فریقین سے اتفاق واختلاف کا کوئی تعلق نہیں ہے، البتہ میں اس بحران کے خاتمے اور مسئلے کے حل کا متمنی اور دعا گو ضرور ہوں۔

یہ وضاحت اس لئے کرنی پڑی کہ بعض اہل علم دوستوں نے توجہ دلائی کہ مضمون میں دارالعلوم کی اور مرکزِ تبلیغ کی بہت سی اہم اور قابل ذکر واحترام شخصیتوں کا تذکرہ نہ ہونے سے جانب داری کا اشارہ ملتا ہے، حالاں کہ واللہ العظیم ایسی کوئی بات نہیں ہے، اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی میرے مضمون سے نفسِ مقصد کو لینے کے بجائے کوئی اور توجیہ کرلیتا ہے تو راقم السطور پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اللہ علیم وخبیر دلوں کے جذبات ومقاصد سے خوب واقف ہے۔

ما نمی خواہیم ننگ ونام را
گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں

آوازِ دل در آغوشِ حرم

(۲)

بہ قلم: مدیر

جدہ کے قیام کے دوران ہی یہ علم ہوگیا تھا کہ شیخ العرب والعجم حضرت حکیم اختر صاحبؒ کے جلیل القدر صاحبزادے اور جانشین حضرت حکیم محمد مظہر صاحب مدظلہ العالی بھی تشریف لائے ہوئے ہیں، فی الحال مدینہ منورہ میں مقیم ہیں؛ بلکہ ایک دوست نے فون پر اُن سے گفتگو بھی کروادی تھی۔

حضرت حکیم محمد مظہر صاحب مدظلہ العالی حضرت حکیم اختر صاحبؒ کے اکلوتے فرزند ہیں، جامعہ اشرفیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہیں،۔۔۔۔۔فن طب کی تکمیل فرمائی، سلوک کی تکمیل اور اجازت وخلافت محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ سے حاصل ہے، اس وقت اپنے والد ماجدؒ کے صلبی وروحانی جانشین کی حیثیت سے ان کی تمام دینی خدمات کو سنبھالے ہوئے ہیں؛ اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو جاری وساری رکھے۔ آمین

فون پر گفتگو میں احقر نے اُن کی صحت دریافت کی تو فرمایا: "الحمد للہ بہت اچھا ہوں، اور آپ کی آواز سن کر مزید صحت مند ہوگیا ہوں، ان شاء اللہ ملاقات ہوگی، ملاقات ہونے کی اطلاع سُن کر بہت خوشی ہورہی ہے؛ دعا کی درخواست کیا تو بہت سی دعاؤں سے سرفراز فرمایا، فجزاهم الله احسن الجزاء۔

۲۶/ربیع الاول ۳۸ھ دوشنبہ کے دن صبح ۱۰/بجے جدہ سے دیارِ حبیب مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی، بیٹی داماد اور اُن کے بچوں کے ساتھ احقر واہلیہ اور چھوٹے بیٹے عزیزم اُسامہ سلمہ کے ہمراہ کل سات افراد پر مشتمل یہ قافلہ خانگی سواری کے ذریعہ عین نمازِ ظہر سے قبل مدینہ منورہ پہونچ گیا، قیام گاہ آن لائن بک کروائی تھی مگر دیکھنے کے بعد ضرورت کے مطابق نہیں محسوس ہوئی تو اُسی وقت تلاش کرکے دوسری قیام گاہ "فندق الانصار الجدید" میں حاصل کرلی گئی، سامان منتقل کرکے ظہر اور ظہرانے سے فارغ ہوئے، بعد نمازِ مغرب کاشانۂ صدیقہؓ کے روبرو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری زیارت اور صلوٰۃ وسلام کا شرف حاصل کیا جس کے لئے کوئی ڈھائی سال سے جسم وجان اور دل ودماغ مضطرب تھے۔

مدت کے بعد کسی کی یادوں کا سلسلہ
اک ناتواں کو توانائی دے گیا

بارگاہِ نبوی ——— علی صاحبہا افضل الصلوات و ازکی التحیات ——— پر دورانِ زیارت بھی باتوں اور فونوں کے ذریعہ جس بے ادبی و گستاخی کا سلسلہ چل پڑا ہے اس کا رونا تو اس سفرنامے کی پہلی قسط میں رو چکا ہوں، اب اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں، اس وقت یہ بتانا چاہتا ہوں کہ غافلوں کی اس بھیڑ میں بھی عاشقوں کی کمی نہیں تھی، باادب اور احساسِ ندامت سے لرزاں جسم، دھڑکتے دل، ڈھلکتے آنسو، لڑکھڑاتے قدم، اور گنگناتی زبانیں اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے دیکھ کر راقم السطور کا پتھر کلیجہ بھی پگھل گیا، کیا بتاؤں کہ قلب و روح کی کائنات پر کیا قیامت گذر گئی؟

اللہ پاک اس مبارک و عالی مقام آستانے کی حفاظت فرمائے، عاشقوں کے یہ ہجوم اور فدائیوں کے یہ قافلے آتے ہی رہیں، اپنے روٹھے آقا اور دُکھی محبوب کو مناتے ہی رہیں ۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه
فيه العفاف و فيه الجود والکرم

اگلے روز بعد نمازِ فجر مسجد نبوی شریف کے مین گیٹ سے متصل ''دار الطیبہ'' کے فلاٹ نمبر ۱۴۰۲ پر حضرت حکیم مظہر صاحب مدظلہ سے ملاقات اور استفادے کی غرض سے پہونچا، دیکھتے ہیں پہچان لیا، چار سال قبل مکہ مکرمہ میں ملاقات ہو چکی تھی۔ اصل میں میرے والد ماجدؒ سے حضرت حکیم اختر صاحبؒ کے قریبی مراسم تھے، جس زمانے میں والد ماجدؒ حضرت محی السنہؒ کی خدمت میں ہوا کرتے تھے حضرت حکیم صاحب حضرت پھولپوریؒ کے خادم تھے، اور حضرت پھول پوریؒ کا ان دنوں زیادہ قیام ہردوئی میں ہوا کرتا تھا، اس لئے دونوں کے خدام بھی ایک دوسرے کے دوست و محبوب تھے؛ خیر! ملاقات کے بعد بہت خوشی کا اظہار فرمایا، حاضرین سے تعارف کرایا، بہت سے مُلکی و بیرونی حاضرین راقم السطور کے لئے اجنبی تھے مگر وہ لوگ میرا نام ''گرفتاری و اسارت'' کے حوالے سے جانتے تھے، کیوں کہ حکومت نے اس کو خوب اچھالا تھا، سب ہی نے گلے لگایا اور دعاؤں سے نوازا، فللّٰہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ

ناشتے پر ہم طعامی کا حکم ملا، شرف و برکت کی نیت سے فوراً قبول کر لیا، دسترخوان کی مادی نعمتوں میں تو اپنے احباب کو شامل کرنے سے رہا، مجلس کی معنوی و روحانی لذتوں میں جی چاہتا ہے کہ سب ہی احباب شامل ہو جائیں؛

حمد وصلوٰۃ کے بعد سنتوں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی
کہ جس کو یار نے چاہا اسی کو یادِ یار آئی

حضرت شاہ ہردوئیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر بیان سے پہلے ایک سنت ضرور بیان کردیا کرو، کیوں کہ ہر سنت سے دنیا میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے، ایک اگربتی اگر کسی کمرے میں یا مسجد میں جلائی جاتی ہے تو پورا کمرہ اور پوری مسجد معطر ہو جاتی ہے، اسی سے اندازہ کرلو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مبارک سنت دنیا میں اگر زندہ کی جائے تو کیسی روشنی اور برکت حاصل ہوگی، ظاہر ہے کہ سارا عالم منور ہو جائے گا، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأۃ شھید'' یعنی جو شخص ایسے زمانے میں جب کہ فساد برپا ہو، سنتوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہو، اُن کے ساتھ استخفاف اور توہین کا معاملہ کیا جا رہا ہو، ایسے زمانے میں اگر کوئی میری ایک سنت کو زندہ کرے گا عمل میں لائے گا، پھیلائے گا تو اس کو سو شہیدوں کا اجر دیا جائے گا؛ اللہ اکبر! یہ کتنی بڑی فضیلت ہے۔

ملا علی قاریؒ بہت بڑے محدث گذرے ہیں، بہت ہی متبع سنت اور عاشقِ رسول بزرگ تھے، عراق کے رہنے والے تھے، سات مرتبہ عراق سے مکہ مکرمہ سفر کرکے حج کے لئے گئے تھے، پیروں میں ورم ہو جاتا تھا مگر ان پر ایک خاص حال طاری رہتا تھا، بعد میں ہجرت کرکے مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو گئے تھے، وہیں انتقال ہوا اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے، یہ جنت المعلیٰ کے اوپر سے اب ایک پُل گذرا ہے نا، اسی کے نیچے ان کی قبر مبارک ہے؛ ملا علی قاریؒ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ المفاتیح کے نام سے لکھی ہے جس سے آج تک دنیا بھر کے علماء استفادہ کر رہے ہیں۔

انہوں نے شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث من تمسک بسنتی کے تحت ایک اشکال قائم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں تو بے حساب ہیں، کیا ہر سنت کے احیاء پر اتنا بڑا اجر ملتا رہے گا؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ جی ہاں ہر سنت کے زندہ کرنے پر اتنا بڑا اجر ملے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ الشکور ہے، اس کے اسماء میں یہ نام بھی ہے اور الشکور کے معنیٰ ہیں الذی یعطی الاجر الجزیل علی العمل القلیل، یعنی تھوڑے سے عمل پر بھی بہت زیادہ اجر دینے والا، پس معلوم ہوا کہ چھوٹی سی چھوٹی سنت کو زندہ کرنے پر بھی سو شہیدوں کا اجر ملے گا، خواہ کتنی ہی سنتیں زندہ کرے۔

اس جگہ انہوں نے ایک واقعہ بھی نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو کچھ عرصے کے بعد کسی نے

اُسے خواب میں دیکھا، اوراس سے معلوم کیا کہ موت کے بعد تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ اس نے بتایا کہ میری اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہوئی اور حساب لیا گیا، میری نیکیاں بہت کم تھیں اور گناہ زیادہ، اس لئے گناہوں کا پلڑا جھک گیا، یہ منظر دیکھ کر میں ڈر گیا کہ اب تو بس جہنم ہی کا فیصلہ ہو جائے گا، اتنے میں ایک چھوٹی سی تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں آ گری، اچانک نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اور میری مغفرت فرما دی گئی! میں نے عرض کیا پروردگار! یہ کیا ماجرا ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ مٹھی بھر مٹی ہے جو تو نے بھائی مسلمان کی قبر پر ڈالی تھی؛ اس واقعہ کو نقل کر کے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ''دیکھو میت کے ساتھ قبرستان جانا اور قبر پر مٹی ڈالنا کتنا چھوٹا عمل ہے مگر چوں کہ یہ عمل سنت ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر اتنا بڑا اجر عطا فرمایا۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ کسی نیکی کو چھوٹا نہ سمجھنا، ہوسکتا ہے کہ وہی تمہاری نجات کا سبب بن جائے؛ ہمارے شیخ حضرت ہردوئیؒ بھی سنتوں کے احیاء اور ان کے رواج کی بہت سعی فرماتے تھے، چھوٹے چھوٹے بچوں کو سنتیں یاد دلوایا کرتے تھے، جہاں جہاں مکاتب قائم فرمایا سنتوں پر عمل کا سلسلہ چل پڑا، یہاں تک کہ بعض بدعتی مزاج لوگوں کے علاقے میں آپ نے مکتب قائم فرمایا اور چھوٹے چھوٹے بچے سنتیں یاد کرنے اور اُن پر عمل کرنے لگے تو وہاں کے لوگ کہنے لگے کہ ہم لوگ اپنے کو سُنّی تو کہلاتے ہیں مگر سنتوں پر عمل اور اس کا اہتمام ان لوگوں کے پاس ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں کو تک سنتوں کا پابند بنایا جارہا ہے، یہ دیکھ کر وہ لوگ بھی اہل حق میں شامل ہو گئے۔

بہرحال! اپنے شیخ کی نصیحت کے مطابق آج کی مجلس میں ایک سنت کی تعلیم دیتا ہوں اور وہ ہے ''سلام کو عام کرنے کی سنت!'' آج کل شیطان نے اس سنت کی اہمیت ختم کر دی ہے، سلام کی جگہ طرح طرح کے الفاظ عام ہوتے جارہے ہیں، مغربی علاقوں میں بچوں بڑوں سب ہی میں گڈ مارننگ اور گڈ ایوننگ کا رواج چل پڑا ہے، عرب میں ''صباح الخیر، مساء الخیر'' جیسے الفاظ چل پڑے ہیں، اور ہندو پاک میں ٹاٹا پاٹا، خدا جانے کیا کیا الفاظ رواج پا گئے، حالاں کہ سلام بہت بڑی دعا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، گھروں میں جا کر گھر والوں کو سلام کرنے کا رواج تو اور بھی کم ہو گیا ہے، حالاں کہ اس میں بہت فائدے ہیں، سنت کا ثواب تو ہے ہی، دنیا کی برکتیں بھی ہیں۔

گھر میں سلام کر کے داخل ہونے کے بہت سے فائدے ہیں مثلاً اگر کوئی پڑوس کی عورت گھر میں آئی ہوئی ہے تو سلام کی آواز سن کر جلدی سے چلی جائے گی، گھر کی عورتیں اِدھر اُدھر بیٹھی ہوں گی تو اپنی جگہوں پر چلی جائیں گی، بیوی اگر ایسی ہی بے ڈھپ الول غلول بیٹھی ہو گی تو صحیح ہو جائے گی تاکہ شوہر کی ناگواری کا سبب نہ ہو

وغیرہ، غور کیا جائے تو اس سنت کے فوائد پر ایک رسالہ تیار ہو جائے گا۔

امام رازیؒ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج کل گھر میں بہت تنگی پریشانی چل رہی ہے، کچھ عمل بتلا دیجئے؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں یہ نسخہ بتلایا کہ "جب کبھی گھر میں داخل ہو تو سلام کیا کرو، خواہ گھر میں کوئی ہو یا نہ ہو، اور ایک مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لیا کرو" دیکھئے! آج کسی کے پیر صاحب نے کوئی وظیفہ بتلا دیا تو وہ کتنا خوش ہوگا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وظیفے سے ان صحابیؓ کو کتنی خوشی واطمینان ہوا ہوگا؟؛ انھوں نے جا کر اس پر عمل شروع کر دیا؛ کچھ دنوں کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذران کے گھر کی طرف سے ہوا تو دریافت فرمایا کہ اب کیا حال چال ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عمل کی برکت سے الحمد للہ گھر میں بہت کشائش ہوگئی ہے، گھر کی ضرورتیں تو بہ آسانی پوری ہو ہی رہی ہیں، پڑوسیوں کا خیال رکھنے اور محتاجوں پر صدقہ کرنے کا موقع بھی مل رہا ہے؛ دیکھا آپ نے؟ گھر میں سلام کی عادت ڈالنے کی کیسی برکت ہوئی!

صحابہ کرامؓ کا مزاج یہی تھا کہ وہ کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُن لیتے تو فوراً عمل کرتے تھے، ہماری طرح نہیں کہ ایک کان سے سُن لیا دوسرے کان سے نکال دیا، اس لئے ان صحابیؓ نے عمل بھی کر لیا اور اس کی برکتیں بھی حاصل کر لیں؛ آج ہم طرح طرح کے بہانے کر کے سنتوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں کوئی کہتا ہے معاشرہ کو دیکھ کر چلنا چاہیئے مولانا! یہ معاشرہ کیا ہوتا ہے؟ کیا معاشرہ اور معاشرے والے قبر میں ساتھ آئیں گے؟ وہاں تو آدمی کا عمل ساتھ ہوگا، ویسے بھی ہم اپنی دنیا کے معاملے میں معاشرہ کو نہیں دیکھتے بس دین ہی میں بہانے بنائے جاتے ہیں۔

ہم ہزار آدمیوں کو خوش نہیں کر سکتے ایک کو کر سکتے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کی ایک ذات کو خوش کرنے کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، وہ خوش ہو جائے گا تو سارا عالم خوش ہو جائے گا، قیامت کے دن کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔

مال و اولاد تیری قبر میں جانے کو نہیں
تجھ کو دوزخ کی مصیبت سے چھڑانے کو نہیں
جز عمل قبر میں کوئی بھی تیرا یار نہیں
کیا قیامت ہے کہ تو اس سے خبر دار نہیں

آج ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری حقیقت یہ جسم ہے، اس لئے اس کو میک اپ کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں،

اس لئے بیوٹی پارلروں میں پھر رہے ہیں، عورتیں تو جاتی ہی ہیں مرد بھی جانے لگے ہیں، اور وہاں جاکر کہتے ہیں کہ کوئی کریم ایسی لگادو کہ ذرا خوب صورت لگوں، ہمارے ہاں حجام ہر طرف دکانیں کھول کے بیٹھ گئے ہیں، سودوسوڈالرلے کر بے وقوف بنا کے بھیج دیتے ہیں، غرض یہ کہ آج ہم اپنی حقیقت جسم کو سمجھتے ہیں، اگر جسم ہماری حقیقت ہوتا تو کوئی بیٹا اپنی ماں کو قبر میں نہ دفن کرتا، کوئی اولاد اپنے باپ کو مٹی کے حوالے نہ کرتی؛ نظیرا کبرآبادی بہت بڑا شاعر گذرا ہے وہ کہتا ہے ؎

کئی بار ہم نے دیکھا جن کا مشین بدن تھا معطر کفن تھا

جو قبر کُہن ان کی اُکھڑی تو دیکھا نہ عضو بدن تھا نہ تار کفن تھا

شعر میں چوں کہ مُعطّر کفن کہا گیا ہے اور کفن میں خوشبولگانا خلافِ سنت ہے، اس لئے یہ شعروالدصاحبؒ تھوڑی ترمیم سے پڑھتے تھے ؎

کئی بار ہم نے دیکھا جن کا مُشیَّن بدن تھا مُبیَّض کفن تھا

سفید کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے، اس لئے مُعطّر کو مُبیَّض کر دیا، تو شاعر بتارہا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے جسم کا کیا حشر ہوجاتا ہے، تو انسان کی جسم کی بس یہ حقیقت ہے، اس لئے جسم کے بناؤ سنگھار میں زیادہ مت پڑو، اپنے مولیٰ کو راضی رکھنے کی فکر میں لگے رہو، سچی توبہ کے ذریعے جلد سے جلد اللہ تعالیٰ کو راضی کرلو۔

ابھی حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب کا فون آیا تھا، فرمارہے تھے کہ سب لوگوں سے کہو کہ کثرت سے استغفار کریں، سارے عالم میں مسلمانوں پر جو مصائب آئے ہوئے ہیں وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہیں، اس لئے ان کا حل توبہ واستغفار ہی ہے، آج نہ زبان کی حفاظت ہورہی ہے نہ کان کی، اس لئے بھئی استغفار کی کثرت کرو، چاہے کتنے ہی گناہ ہوجائیں، اللہ تعالیٰ سے مایوس مت ہو، استغفار کرتے رہو، اللہ تعالیٰ خود حکم دے رہے ہیں: اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠ بعض وقت شیطان مایوس کرتا ہے کہ تم ایسے ایسے گناہ کئے ہو اب کیا بخشش ہوگی؟ ان وساوس کی چکر میں مت آؤ۔

نواب باغپت کو جب اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو انھوں نے اپنی سابقہ زندگی سے اور غفلت و گناہوں سے توبہ کرکے دین داری اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرلی تھی، مگر نفس ان کو وساوس میں ڈال کر مایوس رکھتا تھا، مغفرت کا اطمینان ہی ہونے نہ دیتا تھا، بڑے بڑے علماء سمجھاتے تھے مگر وہی بے چینی کہ پتہ نہیں اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے گا یا نہیں؟ مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی نے قسم کھا کر اطمینان دلایا تو ذرا اطمینان ہوا، کچھ دنوں کے بعد پھر وہی کیفیت! ایک دن وہ بابا نجم احسن نگرامیؒ کے ہاں پہونچے اور اپنی کیفیت سنائی۔

بابا نجم احسن ؒ عالم تو نہیں تھے مگر اللہ والے تھے، حضرت حکیم الامت ؒ کے مجازِ صحبت تھے، انہوں نے تسلی دی اور فرمایا: جب ایسا وسوسہ آئے تو نفس سے یہ کہہ دیا کرو، اسی وقت ایک شعر موزوں کر کے سنا دیا۔

مجھے اس کریم مطلق کے کرم کا آسرا ہے
ابے او گناہ کے بچے! مجھے کیوں ڈرا رہا ہے

پھر نواب صاحب سے پوچھا کہ اپنے گناہوں کے یاد آنے پر آپ کو مزہ آتا ہے یا تکلیف ہوتی ہے؟ وہ کہنے لگے میں تو ندامت وشرم سے گڑھا جاتا ہوں فرمایا: پھر تو یہ شعر بھی پڑھ لیا کیجئے۔

دولتیں مل گئیں ہیں آہوں کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

بس اس کے بعد سے مایوسی ختم ہوگئی، اس سے پہلے نماز کے لئے اللہ اکبر بھی نہیں کہہ پاتے تھے، اللہ کا نام لیتے ہی لرزہ اور گریہ طاری ہوجاتا تھا اب اطمینان سے نماز پڑھنے لگے۔[1]

حافظ عبدالولی صاحب بہرائچی ؒ، حضرت تھانوی ؒ کے مجاز صحبت تھے، اخیر عمر میں حکیم الامت کو خط لکھا کہ انجام کا خوف ہے، حکیم الامت ؒ نے جواب دیا ''ان شاء اللہ آپ کاملین میں نہ سہی تائبین میں ضرور اُٹھائے جاؤ گے''، بس یہ جواب پڑھتے ہی وجد میں آگئے، مایوسی آس میں تبدیل ہوگئی، اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

رقت انگیز دعا پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔ (باقی آئندہ)

---

[1] راقم عرض کرتا ہے کہ یہ بات نہیں تھی کہ قرآن وحدیث کے وعدوں اور علماء کے اطمینان دلانے پر اطمینان نہ ہوتا تھا، بلکہ شیطان نے ان کو نفسیاتی مرض میں مبتلا کر دیا تھا، بابا نجم احسن ؒ نے حکمت سے اسی مرض کا علاج کر دیا، کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے بھی بس یہی ضرورت ہوتی ہے شیخِ کامل کی۔

گوشۂ خواتین (۱)

اسلام کی باکمال خواتین

ترجمہ و تلخیص: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

صدیق اکبر، خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر بن قحافہ کی بیٹی ہیں۔

پیدائش:

حضرت عائشہؓ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئیں، یہ حضرت فاطمہؓ سے آٹھ سال کی چھوٹی تھیں، یہ کہتی ہیں: میں نے جب ہوش سنبھالے تو میرے والدین دین اسلام پر تھے۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے والدین کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے صدیقہ خدیجہ بنت خویلدؓ کے انتقال کے بعد ہجرت سے کچھ ماہ پہلے نکاح فرمایا، شوال سن دو ہجری میں غزوہ بدر سے واپسی پر بنا فرمائی، یہ اس وقت نو سال کی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ اور بہت مبارک علم روایت کیا، مسند عائشہ میں دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث مبارکہ ہیں۔

وہ نہایت حسین وجمیل اور خوبرو تھی، جس کی وجہ سے ''حُمیرا'' کے لقب سے ملقب ہوئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے علاوہ کسی باکرہ عورت سے نکاح نہیں فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی، اور نہ امت محمدیہ کوئی شخص ان کے برابر علوم کا حامل تھا، عورتوں میں تو ان کے ہم سر اور ہم پایہ کوئی عورت تھی ہی نہیں، اس سے زیادہ فخر صد افتخار اور کیا ہوسکتا ہے کہ حضور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں البتہ حضرت خدیجہؓ کو کچھ امور کی وجہ سے ان پر فوقیت وفضیلت ضرور حاصل ہے۔

حضرت صدیقہؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح:

حضرت صدیقہؓ کا نکاح حضرت خدیجہؓ کی وفات کے فوراً بعد ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہؓ اور

حضرت عائشہؓ سے بیک وقت نکاح فرمایا، حضرت سودہؓ اسی وقت حرم نبوی میں آئیں، پھر تین سال بعد واقعہ بدر کے فوری بعد ماہ شوال میں حضرت عائشہؓ حرم نبوی میں آئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ سے بہت محبت فرماتے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو سن آٹھ ہجری میں اسلام لائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ تو فرمایا: عائشہؓ! پوچھا: مردوں میں؟ تو فرمایا: ان کے والد محترم!''قال: عائشہ، قال: فمن الرجال؟ قال: أبوھا''۔(بخاری: باب غزوۃ ذات السلاسل، حدیث:۴۳۵۸)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں نے تمہیں (نکاح سے پہلے) خواب میں دو مرتبہ ریشمی کپڑوں میں لپٹا ہوا دیکھا اور (مجھ سے) کہا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ ہیں، جب میں نے اس کپڑے کو ہٹایا تو تم نظر آئیں، میں نے کہا: اگر یہ منجانب اللہ ہے تو وہ پورا کر کے رہے گا۔''فأقول: إن یک ھذا من عند اللہ یمضہ''(بخاری: باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ، حدیث:۳۸۹۵)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد جب مجھ سے مکہ مکرمہ میں نکاح کیا تو میں چھ سال کی تھی اور مدینہ منورہ میں پھر میری رخصتی اس وقت ہوئی جب میں نو سال کی تھی۔ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو ایک دن کچھ عورتیں میرے پاس آئیں، میں اس وقت جھولا جھول رہی تھی، اور بخار کی شدت سے میرے بہت سے بال جھڑ کر تھوڑے ہی رہ گئے تھے، وہ مجھے لے گئیں اور مجھے تیار کرنے لگیں اور بناؤ سنگھار کر کے مجھے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئیں''ثم أتین بی رسول اللہ ﷺ''

(مسند احمد، مسند الصدیقہ عائشہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا، حدیث:۲۶۳۹۶)

شوہر بیوی کے جذبات کی قدر کرے:

ہشام اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں: میں لڑکیوں کے ساتھ کھلونے کھیلا کرتی تھی، میری سہلیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آمد پر چھپ جاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکلنے جانے کے بعد پھر وہ میرے پاس آجاتیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لڑکیوں کو میرے پاس بھیج دیتے اور وہ میرے ساتھ کھیل میں لگ جاتیں''فکان رسول اللہ ﷺ یسربھن فیلعبن معی''(المعجم الکبیر للطبرانی، باب لعب عائشۃ باللعب عند رسول اللہ ﷺ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے

اور میں لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی، فرمایا: ''عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ سلیمان (علیہ السلام) کا گھوڑا ہے اور اسکے پر ہیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ کی بات پر ہنس پڑے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ واللہ میں نے وہ وقت دیکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے تھے اور حبشی صحن میں کرتب دکھا رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہ کرتب دکھانے کے لئے اپنی چادر سے پردہ کرنے لگے، میں ان کے کانوں اور کندھے کے درمیان سر رکھے ہوئے تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری وجہ سے کھڑے رہے حتی کہ میں ہی واپس چلی گئی، اب تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ ایک نوعمر لڑکی کو کھیل کود کی کتنی رغبت ہوگی۔''فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو '' (مسند احمد، مسند الصدیقۃ عائشۃ، حدیث: ۲۶۳۲۸)

زوجین میں محبت:

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دوڑ کا مقابلہ کیا، اس مقابلے میں میں آگے نکل گئی، کچھ عرصے بعد جب میں لحیم وشحیم ہوگئی تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دوبارہ دوڑ کا مقابلہ کیا، اس مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے اور فرمایا یہ اس مرتبہ کے مقابلے کا بدلہ ہے۔'' فقال:''هذه بتيك '' (مسند احمد، مسند الصدیقہ عائشہ، حدیث: ۲۴۱۱۸)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ہڈی عنایت فرماتے تو اس کو چوستی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو لیتے، اس کو گھما کر اسی جگہ اپنا دہن مبارک رکھتے جہاں میرا منہ رکھا ہوتا ''فيديره حتى يضع فاه على موضع فمي '' (مسند الحمیدی، احادیث عائشہ، حدیث: ۱۶۶)

زوجین میں مودت وملاطفت کی باتیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! فرمائیے اگر آپ کسی وادی میں اتریں اور اس میں ایک درخت ایسا ہو جس میں اونٹ چر گئے ہوں اور ایک درخت ایسا ہو جس میں سے کچھ بھی نہ کھایا گیا ہو تو آپ اپنا اونٹ ان درختوں میں سے کس درخت میں چرائیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس درخت میں جس میں سے ابھی چرایا نہیں گیا ہو۔ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔'' تعني أن رسول الله ﷺ لم يتزوج بكرا غيرها

(بخاری: باب نکاح الأبکار، حدیث: ۵۰۷۷)

(جاری۔۔۔۔۔۔)

مجالسِ نبوی

یہودی بدبخت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کردیا

مولانا الیاس ندوی بھٹکلی*

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ظہور جب کسی بندہ پر کثرت سے ہوتا ہے تو اس سے حسد کرنے والے اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں، تمام بندگانِ خدا میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے تھے، چناں چہ یہود و منافقین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بغض و عداوت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور موقع موقع سے آپ کو جسمانی و ذہنی اعتبار سے زک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اثرات سے محفوظ رکھا۔

آج رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاشانۂ نبوت میں حسب معمول تشریف فرما تھے، لیکن طبیعت کچھ بوجھل سی تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی کام کیا ہے حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کام نہیں کیا ہوتا، دراصل حدیبیہ سے واپسی پر قبیلہ بنی زریق کے لبید بن اعصم نامی ایک بدبخت منافق یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سحر یعنی جادو کردیا تھا، جس کا ہلکا سا اثر آپ کی طبیعت پر ظاہر ہوگیا تھا، اس آزمائش سے نکلنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، رب کریم نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کیفیت کی حقیقت سے آپ کو آگاہ کردیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آرام فرمارہے تھے تو خواب میں دو فرشتے انسانوں کی شکل میں آئے اور وہ دونوں آپ کے سرہانے اور پاؤں کے پاس بیٹھ گئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو کا اثر ہوگیا ہے، پہلے نے سوال کیا کہ آخر کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: لبید بن اعصم نے

پوچھا: کس چیز کے ذریعہ جادو کیا گیا ہے؟

کہا: کنگھی، بالوں اور کھجور کے خوشہ کے پوست میں یعنی جس میں کھجور پیدا ہوتی ہے اس کے غلاف میں

پہلے نے پوچھا: یہ سب سامان کہاں رکھا ہوا ہے؟

*استاذ تفسیر و حدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

اس نے کہا: ذروان کے کنویں، یعنی مدینہ منورہ میں بنی زریق کے باغ میں۔

خواب میں دو فرشتوں کی اس گفتگو کو سننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور ذروان کے کنویں پر چلے گئے اور مذکورہ اشیاء کو وہاں سے نکالا۔

واپس آکر عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اس کنویں میں شیطانوں کے سر کے مانند ڈراؤنے درخت ہیں۔

یہ سن کر عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا: پھر آپ نے اس شخص کے متعلق جس نے یہ حرکت کی ہے لوگوں کو بتایا کیوں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے شفا دی، میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس کو بتا کر لوگوں میں جھگڑا کھڑا کروں۔

اس کے بعد اس کنویں کو جس میں سحر کا سامان دفن تھا مٹی ڈال کر بھر دیا گیا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورۂ معوذتین یعنی سورہ فلق (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ) اور سورۂ ناس (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) نازل فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنگھی میں موجود بالوں کی ہر گرہ پر ایک آیت پڑھتے اور پھر گرہ کھولتے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سے سحر کا اثر ختم ہو گیا۔

اپیل برائے دعائے مغفرت

قارئین کرام! یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ دعوت الحق کے سابق نائب ناظم حاجی عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گلبرگہ کی وفات کا غم ابھی خاندان کے افراد بھول نہ پائے تھے کہ اسی خانوادہ کو ایک اور المناک حادثہ نے لرزا کر رکھ دیا، خاندان کے چار افراد دو لڑکے اور دو لڑکیاں ایک حادثہ کا شکار ہو کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جن میں دو لڑکیاں کم سن تھیں اور دو لڑکے علمی و ملی خدمات کے میدان میں ابھی اپنے پر تول رہے تھے، یقیناً اس علمی خانوادے کیلئے یہ محض ایک سانحہ ہی نہیں بلکہ حادثہ فاجعہ ہے، لیکن رضا بالقضا ہی اہل ایمان کیلئے عموماً اور اہل علم کے لئے خصوصاً تسلی کا سامان اور مومنانہ شان ہے۔ ان للہ ما اخذ و لہ ما اعطیٰ و کل شیئ عندہ باجل مسمیٰ اللہ تعالیٰ مرحومین کی حسنات کو قبول فرما کر مغفرت فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور نوعمروں کو متعلقین کے لئے ذخیرۂ آخرت و وسیلہ نجات بنائے۔ آمین۔

قارئین اشرف الجرائد سے خواہش ہے کہ مرحومین کیلئے دعاء مغفرت اور حسبِ استطاعت ایصالِ ثواب فرمائیں۔

دعوتِ فکر وعمل

علماء ومصلحین امت اوران کے فتنے

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہورہے ہیں، نہایت خطرناک ہیں تفصیل کا موقعہ نہیں، لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

مصلحت اندیشی کا فتنہ:

یہ فتنہ آج کل خوب برگ وبار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے، اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں، اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی وعلمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

اپنی رائے پر جمود واصرار:

اپنی بات کو صحیح وصواب اور قطعی ویقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخور اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا، بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سوفی صد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سوفی صد غلط اور باطل، یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں، کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں صرف عنوان کا فرق یا الاھم فالاھم کی تعیین کا اختلاف ہو۔

سوءِ ظن کا فتنہ:

ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہیکہ ہماری جماعت کا ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں ان کی نیت صحیح نہیں بلکہ اغراض پر مبنی ہیں، اس کا منشاء بھی عجب وکبر ہے۔

سوءِ فہم کا فتنہ:

کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا

اظہار کرتا ہے بلکہ مکروہ انداز میں اسکی تردید فرض سمجھی جاتی ہے، مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر وتذلیل ہو، کیا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (یقینا بعض گمان گناہ ہیں) اور ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (بدگمانی سے بچا کرو کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے) کی نصوص مرفوع العمل ہو چکی ہیں؟

بہتان طرازی کا فتنہ:

مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنا، بلا سند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا، اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کردی، بلا تحقیق اس پر یقین کر لینا اور مزے لے لے کر محافل ومجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں، دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق صحیح سمجھنا کیا یہ نص قرآنی اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا الایۃ (اگر آئے تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کرلو) کے خلاف نہیں؟

جذبہ انتقام کا فتنہ:

کسی شخص کو کسی سے عداوت ونفرت یا بدگمانی ہے، لیکن خاموش رہتا ہے لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے، طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال نہیں ہوتا، گویا یہ خاموشی معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بیچارگی و ناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی جب طاقت آگئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم وکرم اور عفو درگذر سب ختم۔

حب شہرت کا فتنہ:

کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین وآفرین کے نعرے بلند ہوں، درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خودنمائی وریا کاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا اور درحقیقت یہ شرک خفی ہے، حق تعالیٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال میں قبول عنداللہ کا معیار ہے اخبارات، جلسے، جلوس، دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

خطابت یا تقریر کا فتنہ:

یہ فتنہ عام ہوتا جارہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں، عملی کام صفر کے درجہ میں ہوں، قوالی کا شوق دامن گیر ہے، عمل وکردار سے زیادہ واسطہ نہیں لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ "کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو

وہ چیز جو نہ کرو۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ) خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہاں کا درد اس کے دل میں ہے لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

پروپیگنڈہ کا فتنہ:

جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں، خصوصا سیاسی جماعتیں ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑ توڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق، نہ عقل ہے نہ انصاف محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے، اخبارات، اشتہارات ریڈیو، ٹیلی ویژن تمام اس کے مظاہر ہیں۔

مجلس سازی کا فتنہ:

چند اشخاص کسی بات پر متفق ہو گئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہو گیا، فوراً اخبار نکالا جاتا ہے، بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے، نہایت دل کش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ وکلمات سے قرار دادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں، امت میں تفرقہ وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

عصبیت جاہلیت کا فتنہ:

اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ کیسی ہی غلط ہو، اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے۔ مدعئ اسلام جماعتوں کے اخبار ورسائل، تصویریں، کارٹون، سنیما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں، مگر چونکہ اپنی جماعت کے حامی ہیں، اس لئے جاہلی تعصب کی بناء پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو، اس کے نماز اور روزہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

حب مال کا فتنہ:

حدیث میں آیا ہے کہ حب الدنیا رأس کل خطیئة دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حب جاہ یا حب مال ہے بہت سے حضرات ربنا آتنا فی الدنیا حسنة کو دنیا کی جستجو اور محبت کے لئے دلیل بناتے ہیں، حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول، اس سے انکار نہیں، نیز ایک ہے طبعی محبت جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے اس بھی انکار نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا یا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہو جائیں،

اقتصاد واعتدال کی ضرورت ہے عوام سے شکایت کیا کی جائے آج کل عوام سے یہ فتنہ گذر کر خواص کے قلوب میں بھی آرہا ہے، الا ماشاء اللہ! اس فتنے کی تفصیلات کے لئے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے حق تعالیٰ توفیق عطاء فرمائے ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں:

اللھم ارزقنی حبک و حب من یحبک و حب عمل یقربنی الیک، اللھم ما رزقتنی مما احب فاجعلہ قوۃ فیما یحب و ما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغاً لی فیما تحب، اللھم اجعل حبک احب الاشیاء الی من نفسی و اھلی و من الماء البارد (بہ شکریہ، ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور، ستمبر ۱۶ء)

تفصیلات ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

حسبِ قاعدہ نمبر ۸ ملکیت کے بارے میں

۱۔ مقامِ اشاعت : ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ کالونی، سعید آباد، حیدرآباد ٹی، ایس

۲۔ وقفۂ اشاعت : ماہانہ

۳۔ مقام طباعت : عائش آفسیٹ پرنٹرس، متصل مسجدِ معراج، سعید آباد حیدرآباد

۴۔ پرنٹر پبلشر کا نام : محمد عبدالقوی، قومیت: ہندوستانی

پتہ: ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد، خواجہ باغ کالونی، سعید آباد، حیدرآباد

۵۔ ایڈیٹر کا نام : محمد عبدالقوی، قومیت: ہندوستانی،

پتہ: ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد، خواجہ باغ کالونی، سعید آباد، حیدرآباد

۶۔ مالک کا نام : محمد عبدالقوی، قومیت: ہندوستانی،

پتہ: ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد، خواجہ باغ کالونی، سعید آباد، حیدرآباد

میں محمد عبدالقوی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم ویقین میں صحیح ودرست ہیں۔

دستخط

محمد عبدالقوی

لمحۂ فکریہ

طارق فتح: اپنے باطل افکار ونظریات کے آئینہ میں

مولانا عبدالرشید طلحہ قاسمی نعمانی*

یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ اسلام کے حوالے سے آج ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے اکثر پروگراموں کی سربراہی نیوز چینل پر نظر آنے والا وہ روشن خیال طبقہ کرتا ہے؛ جو فسطائی طاقتوں اور مغربی آقاؤں کا زر خرید غلام ہے، جس کا کام اسلام کے خلاف دریدہ دہنی اور زہر افشانی ہے، جو خود کو اسلام کے تابع کرنا پسند نہیں کرتا؛ بل کہ اسلام کو اپنے تابع کرنا چاہتا ہے۔

نہ چہرے پر اسلامی آثار، نہ قلب وذہن اسلام کے تابع، نہ عادات واطوار اور اخلاق وکردار پر اسلامی چھاپ؛ صرف اپنی ہی لن ترانی، اپنی ہی کذب بیانی اور اپنی ہی من مانی...... جدیدیت کے اس سیلاب بلاخیز کو ایک طرف تو اسلام دشمن عناصر کا سہارا ہے تو دوسری طرف میڈیا کی پشت پناہی۔

علامہ اقبال نے سچ فرمایا کہ

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردی مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اسی مغرب زدہ نظامِ تعلیم کے پروردہ، ان کی مخصوص تربیت سے متاثر جن بدباطن اور کج فکر، لوگوں نے اسلام کی پاکیزہ شبیہ کو مسخ کرنے میں اہم رول ادا کیا، ان میں جہاں سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، فرحت ہاشمی اور جاوید غامدی جیسے دین بیزار افراد سر فہرست ہیں، وہیں "طارق فتح" کا جادو بھی ان دنوں سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ طارق فتح کون ہے؟ اس کے کیا افکار ونظریات ہیں؟ کس طرح وہ امت کو اپنے دام تزویر میں پھانس رہا ہے؟

*استاذ شعبہ عالمیت، ادارہ ہذا

مختصر تعارف:

طارق فتح کے بہ قول اس کے باپ دادا ہندو تھے، وہ 20 نومبر 1949 کو پاکستان کے مشہور شہر کراچی میں پیدا ہوا، وہیں اس کی نشونما ہوئی، کراچی یونیورسٹی سے حیاتیاتی کیمیا کی تعلیم حاصل کی اور مختلف تحریکات سے جڑا رہا۔ 1960 اور 1970 کے ہنگاموں میں جیل جانا پڑا، 1977 میں اس پر غدار وطن ہونے کا فرد جرم عائد ہوا اور پاکستان کے خلاف تنقیدی بیانات کی وجہ سے تقاریر پر بھی پابندی لگا دی گئی، پھر پاکستان سے فرار ہوکر 10 سال سعودی عرب میں مقیم رہا، جب وہاں بھی امان نہ ملی تو کناڈا میں مستقل سکونت اختیار کر لی، اس دوران صحافت سے گہری دل چسپی رہی اور کچھ متنازع کتابیں بھی معرض وجود میں آئیں۔

اب یہ شخص پچھلے ڈھائی سال سے ہندوستان میں مقیم ہے اور ہندوستانی میڈیا کی آنکھ کا تارا بنا ہوا ہے؛ جس کا ماننا ہے کہ بدقسمتی سے اس کی پیدائش پاکستان میں ہوئی حالانکہ اس کو ہندوستان اور اس کی جمہوریت سے سچی محبت ہے۔

بنیادی افکار ونظریات:

طارق فتح عجیب وغریب نظریات کا حامل ہے؛ جس کا مقصد اسلام دشمنی کو فروغ دینا، مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہونچانا اور ہندوستان کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو سبوتاژ کرنا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اسے ہر مذہبی علامت سے نفرت ہے۔ ایک پروگرام میں اپنے باطل افکار کا اظہار یوں کرتا ہے:

"آپ جانتے ہیں کہ سیکولرزم کیا ہوتی ہے؟ سیکولرزم یہ ہے کہ ملک میں کسی طرح کی کوئی مذہبی علامت نہیں ہونی چاہئے؛ فرانس میں جس طرح کی جمہوریت ہے انھی کی طرح اپنی زندگی گذارنی چاہئے جہاں کوئی مذہبی علامت نہیں ہوتی، کوئی فرد اپنے اپنے مذہب پر عمل نہیں کرسکتا، سب شہریوں کے لئے یکساں قوانین ہیں ہندوستان میں تو مسلم پرسنل لا جیسی کوئی چیز ہی نہیں ہونی چاہئے، بس ایک قانون ہونا چاہئے جو سب پر لاگو رہے ہندوستان کا ہر شہری کسی مذہب کو نہ مانے، میرا مسلمان ہندو اور دیگر مذاہب سے مطالبہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے یہاں آپس میں شادیاں کریں؛ جس طرح میں نے اپنی بیٹی کی شادی غیر مسلم سے کی ہے۔"

الغرض: طارق فتح ایک خدا بیزار، مذہب مخالف اور کمیونسٹ ذہن کا نہایت چالاک شخص ہے، جو اپنے مفادات کی خاطر کچھ بھی بول سکتا ہے۔

آج کل "زی نیوز" پر بحیثیت "مفتی" بیٹھتا ہے اور "فتح کا فتویٰ" کے عنوان سے اپنے پروگرام پیش کرتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ پروگرام اس وقت شروع کیا گیا جب ہندوستان کے کئی صوبوں میں

انتخابات کا نوٹیفکیشن جاری ہو چکا تھا۔جس میں صوبہ اتر پردیش بھی شامل ہے۔صاف ظاہر ہے کہ طارق فتح کی ہندوستان آمد اور شرانگیز بیانات کے ذریعہ ہندوستان کی صاف شفاف پرامن فضاء کو مکدر بنانا ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔

اس کے پروگرام کی نوعیت کچھ یوں ہوتی ہے کہ طارق اپنے پروگرام میں ایسے مولوی نما لوگوں کو بحث کے لیے دعوت دیتا ہے جو اس کے اعتراضات کا جواب نہیں دے پاتے اور اگر کبھی دیتے بھی ہیں تو چینل والے اس کو کانٹ چھانٹ کر دکھلاتے ہیں؛ جس سے لوگوں میں یہ پیغام جاتا ہے کہ طارق فتح سچ بول رہا ہے۔

کبھی وہ اپنے ساتھ چند جاہل خواتین لے آتا ہے، پھر برقعہ، حجاب اور حقوق نسواں سے متعلق سوالات ہوتے ہیں، حجاب سے متعلق کیے گئے سوالات کے ضمن میں طارق فتح پروگرام میں موجود علماء سے استفسار کرتا ہے کہ قرآن میں برقعہ کا ذکر کہاں ہے؟ خطرۂ ایمان مولویوں کے غیر اطمینان بخش جواب سن کر پروگرام میں موجود خواتین ان کا مذاق اڑانے لگتی ہیں۔

طارق فتح کے ملحدانہ افکار و خیالات کی ایک طویل فہرست ہے؛ جن میں چند گمراہ کن نظریات ذیل میں مذکور ہیں:

قرآن مجید پر پابندی لگادینی چاہیئے؛ کیوں کہ اس کی پہلی سورت میں ہی یہود و نصاریٰ کے خلاف آیتیں ہیں! واقعہ معراج پر مجھے ہنسی آتی ہے، ان ہفوات و بکواسات کے علاوہ اس شاتم رسول کی دریدہ دہنی اور دیدہ دلیری کو نوکِ قلم پر لاتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جسم پر لرزہ طاری ہنے لگتا ہے، کیا بیان کیا جائے اور کہاں تک بیان کیا جاسکتا ہے؟؟؟ فتویٰ دینے کا حق صرف مفتی کو نہیں؟ ملا کا اسلام الگ اور اللہ کا اسلام الگ! اسلام میں کفر کا فلسفہ اور کافر کون؟ اورنگ زیب اور محمود غزنوی جیسے مسلم حکمراں ظالم ہیں! جہاد بالسیف پر پابندی لگنی چاہیے! بین مذاہب شادیوں کا رواج ہونا چاہیئے! یکساں سول کوڈ کا نفاذ وقت کی اہم ضرورت!، بابری مسجد کی تعمیر غیر قانونی ہے! آزادئ اظہارِ خیال میں مذہب کا عمل دخل نہیں! وغیرہ

امت کے لئے راہ عمل:

ہمارے مذہب، ہمارے شعائر، صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدین؛ بلکہ ہمارے نبی ﷺ کو گالیاں دی جائیں، ان پر الزامات تھوپے جائیں، جہاد کو دہشت گردی سے جوڑا جائے، علماء امت کی تضلیل و تکفیر کی جائے، شعائر اسلام کی بے حرمتی ہو اور ہم خاموش تماشائی بنیں رہیں؟؟؟

آیئے! دیکھتے ہیں کہ فتنوں کے اس مہیب اور تاریک ترین دور میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟؟؟

اس وقت سب سے بڑی ضرورت اسلامی تعلیمات کو خوب عام کرنا اور اس سے واقف ہونا ہے، اور یقین رکھنا کہ کامیابی اسی پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ کسی اور چیز میں، لہٰذا اس جانب توجہ دیں تاکہ حلال حرام کی تمیز ہو سکے، علماء سے اپنے مسائل میں رجوع کریں، اور اپنے بچوں کی اسلامی تربیت کی فکر کریں، دعاء کا التزام کریں، اپنے لیے پوری امت کے لیے، رورو کر اللہ کے دربار میں دعائیں کریں، خاص طور پر یہ دعا کریں کہ اللہ امت کو منافقین کے شر سے نجات دے اور ہم سب کو اسلام پر ثابت قدم رکھے۔غفلت سے بیدار ہوں، اور دشمنوں کے مکروفریب اور ان کی سازشوں سے واقف ہوں اور اس سے بچنے کی تدابیر کریں تاکہ مغرب کے ان خطرناک حملوں سے اپنی نسلوں کا دفاع کر سکیں۔ یہ بیداری تمام محاذوں پر ہونی چاہیے۔**اللھم اجعل کیدھم فی تضلیل۔**

ٹیلی ویژن کی نحوست سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو، کوسوں دور رکھیں، فلم، کھیل کود اور فضول چیزوں میں وقت صرف نہ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔

علماء کی ذمہ داریاں:

ان عمومی ذمہ داریوں کے علاوہ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ ان گستاخیوں، شرانگیزیوں اور فتنہ پردازیوں پر قدغن لگانے کے اسباب وذرائع پر غور کریں اور حکمت کے ساتھ ضروری اقدامات بروئے کار لانے کی بھرپور کوشش کریں، سائبر ورلڈ سے استفادہ ہر ایک کا حق ہے، فضلاء کرام کو چاہیے کہ وہ اسلامی کاز کو فروغ دینے کے لیے اپنی مخفی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں، اسلامی افکار ونظریات کو پھلائیں، اسلام کی ثقافتی قدروں کو پروان چڑھائیں۔

مفکر اسلام علی میاں ندوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

”آج کا جہاد، وقت کا فریضہ اور عصر حاضر کی سب سے بڑی دینی ضرورت یہ ہے کہ لادینیت کی اس طوفانی موج کا مقابلہ کیا جائے جو عالم اسلام کے سر سے گزر رہی ہے۔

وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کے اساسیات وعقائد، اس کے نظام وحقائق اور رسالت محمدی پر وہ اعتماد واپس لایا جائے۔ جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے؛ آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے، جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔

یورپ ہمارے نوجوان اور ذہین طبقے پر چھاپے مار رہا ہے شک والحاد، نفاق وارتیاب کا ایک طوفان ہے جو اس نے ہمارے دل ودماغ میں برپا کر رکھا ہے، غیبی اور ایمانی حقائق پر اعتماد متزلزل ہو رہا ہے اور سیاست اور اقتصاد کے مادہ پرستانہ نظریات اس جگہ پر قابض ہو رہے ہیں، کامل ایک صدی سے شکست وریخت کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ لیکن

ہمیں اس کے مقابلے کی کوئی فکر نہیں ہوئی، ہم نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق قدیم علمی ترکہ پر اضافے کرنا ہمارا فرض ہے، ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ یورپ کے ان فلسفوں کو سمجھیں اور پھر ان کا علمی محاسبہ بلکہ سرجنوں کی طرح ان کا پوسٹ مارٹم کریں، ہمارا سارا وقت سطحی بحثوں کی نذر ہوتا رہا؛ یہاں تک کہ اس صدی کے آخر میں ہمارے سامنے گویا یکایک یہ منظر آیا کہ ایمان وعقیدہ کی دنیا متزلزل ہے اور ایک ایسی نسل تیار ہو کر برسر اقتدار آچکی ہے جو نہ اسلام کے عقائد ومبادی پر ایمان رکھتی ہے، نہ ہی اسلامی جذبات اور اسلامی حمیت سے معمور ہے اور نہ اس کا کوئی تعلق اپنی مومن ومسلم قوم سے ہے، سوائے اس کے کہ قومیت کے خانے میں اسکا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا ہے یا اگر کچھ تعلق ہے تو وہ محض سیاسی مصالح کی حد تک۔۔۔ اور اب اس بھی آگے بڑھ کر صورت حال یہ ہے لادینی مزاج اور لادینی انداز فکر، ادب وثقافت اور صحافت وسیاست کے راستے سے جمہور تک پہنچ چکا ہے۔ اور مسلمان قوموں کے سر پر عمومی پیمانے کی لادینیت کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔

خاکم بدہن! وقت کی رفتار، وہ وقت قریب لا رہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے میدان سے کہیں بے دخل کر کے نہ رکھ دیا جائے۔"

ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

ایک عظیم اصلاحی ودعوتی تحریک کا نام ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہوجایئے اور اپنے دوست واحباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

یہ ماہنامہ www.Idara.info پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

تعاقب فرق باطلہ (۲)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قیام کی ذمہ داری اور ترتیب

از: مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت وفضیلت اور انواع واقسام کی وضاحت قسط سابق میں گذر چکی ہے، لیکن دو باتیں ابھی باقی ہیں ایک بات تو یہ ہے کہ معروفات کی رغبت دلانے اور ان پر عمل کرانے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ منکرات سے روکنے اور ان کے ارتکاب پر عقاب وعتاب کا حق کس کو حاصل ہے؟ تو معروفات اور منکرات کی کچھ خاص قسم ایسی ہیں جن کے قیام اور نفاذ کی ذمہ داری امراء اور حکام اور ان کے نائبین کے ذمہ ہے جیسے جہاد کی تیاری، اسلامی سرحدات کی حفاظت، اقامت حدود، عدالت کا قیام وغیرہ امور عامہ کی دیکھ بھال امراء اور حکام کے سپرد ہیں۔ عمومی نوعیت کے اوامر ونواہی جن کی ترغیب وتخویف سے مفسدہ کا کوئی امکان نہ ہو تو عوام بھی بشرط علم معروفات کا حکم دیں اور منکرات سے روکیں جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کی رغبت دلانا اور زنا، سرقہ، غیبت، چغلی وغیرہ برے عادات سے منع کرنا عوام کے ذمہ ہے۔ قرآن وحدیث میں ان کے شواہد موجود ہیں۔

دلیل اول: چنانچہ قرآن حکیم کی وہ آیات جن میں امت مسلمہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے جیسے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ تم لوگ سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کو نفع رسانی کے لئے پیدا کئے گئے ہو، تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ ایسی آیات کے عمومی خطاب کے ضمن میں جہاں علماء صلحاء شامل ہیں وہیں امراء اور وزراء بھی داخل ہیں، چونکہ امراء اور حکام کے پاس قوت ہوتی ہے، عوام کی حمایت اور معیت ہوتی ہے اس لئے استعداد جہاد، اقامت حدود، بیضہ اسلام کی حمایت میں کوئی مفسدہ نہیں ہوگا، اس لئے ان مذکورہ امور کی انجام دہی اور نفاذ فقط امراء کے ذمہ ہے، عوام بغیر امیر وسلطان کے جہاد کی تیاری کریں گے اور نہ ہی حدود قائم کریں گے۔

(بدائع الصنائع بتغیر)

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

دلیل ثانی: حضرت ابوھریرۃؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''انما الامام جنة یقاتل من ورائه و یتقی به''۔(مسلم: ۳۴۳۴) کہ امام ڈھال ہے اس کے تحت جہاد وقتال کیا جائے گا اور اس کی مدد سے حفاظت و پناہ حاصل کی جائیگی۔حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں''لانه یمنع العدو من اذی المسلمین و یکف اذی بعضهم عن بعض و المراد کل قائم بامور الناس'' کہ امام ڈھال ہے اس لئے کہ وہ مسلمانوں کو دشمنوں کی ایذاء رسانی سے روکتا ہے اور مسلمانوں میں سے بعض کو بعض سے تکلیف پہنچنے سے روکتا ہے اور امام سے ہر وہ شخص مراد ہے جو لوگوں کے امور کو انجام دیتا ہے۔اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ امام الناس اور حاکم کے ذمہ یہ کام ہے کہ مسلمانوں کے لئے ڈھال بنیں اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کریں اور مسلمانوں میں پیدا ہونے والے مفسدہ اور خرابی کو اپنی قوت وطاقت سے دور کریں۔

دوسری بات جو اہم ہے یہ ہے کہ کن وسائل کے ذریعہ امر و نہی انجام دیا جائے اور انکی ترتیب کیا ہو، تو اس سلسلہ میں اھل السنۃ والجماعۃ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو لوگ راعی اور نگران ہیں جن کو اپنے رعایا اور ماتحتوں پر اختیار حاصل ہے اسے چاہیے کہ اپنی جائز قوتوں کا استعمال کرکے امر و نہی کا کام انجام دیں، اس طرح سے کہ کسی قسم کا فساد و بگاڑ پیدا نہ ہو، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر تذکیر و موعظت اور ترغیب و ترہیب سے کام کریں لوگوں سے محبت سے پیش آئیں اور حکمت و دانائی کے ساتھ امر و نہی کریں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (سورۃ النحل: ۱۲۵) اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنے رب کی راہ (اسلام) کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان سے عمدہ انداز سے بحث ومباحثہ کیجئے۔پھر اس زبانی نصیحت میں بھی اگر ضرر کا اندیشہ ہو اور یقین ہو کہ مخاطب پر کوئی اثر نہیں ہوگا بلکہ ردعمل ہوگا تو نصیحت ترک کردے اور منکر کو دل سے برا جانے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابوسعید خدریؓ کی مروی حدیث میں ارشاد عالی ہے''من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذالک اضعف الایمان'' (صحیح مسلم: ۳۲/۱) کہ تم میں سے جو منکر کو دیکھے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے روک دے پھر اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روک دے پھر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔اس حدیث شریف سے امر و نہی کے وسائل کی جو ترتیب معلوم ہورہی ہے اھل السنۃ والجماعۃ کا نقطہ نظر اسی حدیث شریف کے موافق ہے۔

نیز امر بالمعروف نہی عن المنکر کے لئے اھل السنۃ کے نزدیک تلوار کا استعمال جائز نہیں ہے جیسا کہ

حدیث بالا میں صرف دست قدرت پر اکتفاء کیا گیا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے خلاف اسلحہ اٹھانے سے منع کیا ہے ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے "من حمل علینا السلاح فلیس منا" (مسلم شریف: ۱/۶۹) جس نے ہمارے اوپر اسلحہ اٹھایا وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (مسلم شریف: ۱/۵۸) کہ تم لوگ میرے بعد کفر کی حالت میں نہ لوٹ جانا کہ تم مسلمانوں سے بعض بعض کی گردن اڑائے۔اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کے خلاف ہتھیار چلانا کافرانہ کام ہے کوئی اہل ایمان یہ کام نہیں کرسکتا ہے۔۔۔۔یہ بات تو عام مسلمانوں کے متعلق ہے حتی کہ اگر حاکم وقت اور امیر بھی منکرات کا ارتکاب کریں جور وظلم روا رکھیں، تو ان لوگوں کو بھی منکرات سے روکنے کے لئے حکمت و دانائی اور بالغ نظری کے ساتھ وعظ و نصیحت ہی ہے، ان کے خلاف بغاوت اور سرتابی جائز نہیں ہے جیسا کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سمع و طاعت پر بیعت کی۔۔۔۔اور اس بات پر کہ ہم اولوالامر سے نہیں جھگڑیں گے الا یہ کہ تم لوگ کھلے ہوئے کفر کو دیکھو (صحیح مسلم: ۱۴۷۰/۳) صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ امراء ظالمین کے بارے میں صحابہؓ نے دریافت کیا الا نقاتلهم؟ کیا ہم ان سے قتال نہ کریں قال: لا! ما اقاموا فیکم الصلوۃ (مسلم: ۱۴۸۰/۳) فرمایا: نہیں جب تک تم میں وہ نماز قائم کریں۔۔۔اس طرح کی احادیث واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ امر و نہی کے خاطر عوام و امراء سے جنگ و جدال درست نہیں ہے، اور یہی اهل السنة والجماعة کا مذہب ہے۔

اہلِ اعتزال کا نظریہ:

اس کے برخلاف معتزلیوں کا نقطہ نظر ہے! ان کے ہاں امر و نہی کی ترتیب اهل السنة کی ترتیب کا معکوس ہے یعنی اسہل سے اصعب اور آسانی سے دشواری کی طرف انتقال کیا جائے گا اس طرح سے کہ اولاً احسن اخلاق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جائے، اگر اصلاح نہ ہو تو زبان کی طرف انتقال کیا جائے گا اور تذکیر و ترہیب سے کام لیا جائے گا، اگر اس سے اصلاح نہ ہو تو بزور دست اصلاح کی جائے گی یہاں تک تلوار کی ضرورت ہو تو اسے بھی استعمال کیا جائے گا، قاضی عبدالجبار معتزلی لکھتے ہیں "واعلم ان المقصود بالامر بالمعروف ایقاع المعروف وبالنهی عن المنکر زوال المنکر، فاذا ارتفع الغرض بالامر السهل لم یجز العدول عنه الی الامر الصعب" (شرح الاصول الخمسہ: ۱۴۴) کہ امر بالمعروف سے مقصود اچھے کاموں کو وجود بخشنا اور نہی عن المنکر سے مقصود برے کاموں کو ختم کرنا ہے تو جب یہ مقصد آسان فعل سے حاصل ہو جائے تو اس کو چھوڑ کر مشکل امر کی

جانب عدول کرنا اور لوٹ جانا جائز نہیں ہوگا، قاضی صاحب کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ امر ونہی کا کام آسان ذریعہ سے کرنا ہے اور یہ کارگر نہ ہوتو دشوار ذریعہ اختیار کرنا ہے حتی کہ قتال اور امیر کے خلاف بغاوت واجب ہے، حالانکہ یہ ترتیب اور رائے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور مذکورہ احادیث کے صریح خلاف ہے۔

یہ لوگ اس آیت شریفہ سے استدلال کرتے ہیں "وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (سورۃ الحجرات:۹) اور اگر مومنین میں دو گروہ باہم لڑائی جھگڑا کریں تو ان کے درمیان صلح صفائی کرادو پھر اگر ان میں ایک دوسرے پر ظلم و بغاوت کرے تو اس گروہ سے جنگ کرو تا آنکہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔۔۔ کہتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اولاً صلح کا حکم ہے اور اسکے مفید نہ ہونے پر قتال کا حکم ہے تو معلوم ہوا کہ آسان سے دشوار کی طرف انتقال کیا جائے گا۔

ردمعتزلہ:

معتزلیوں کی یہ رائے اور نقطہ نظر قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہے جیسا کہ اھل السنۃ والجماعت کے دلائل میں آیات واحادیث نظر نواز ہو چکی ہیں۔ اور رہی بات آیت بالا سے استدلال کی تو یہ درست نہیں ہے کیوں کہ آیت شریفہ میں جو ترتیب وارد ہوئی ہے وہ خاص مقاتلہ کرنے والی دو اہل ایمان جماعت کے بارے میں ہے جہاں اصلاح کی یہی صورت ہے کہ صلح صفائی کرادی جائے اور نہ ماننے والوں کے خلاف قتال کیا جائے۔۔۔ لیکن یہ بات عام اوامر ونواہی کے تعلق سے نہیں ہے اور نہ حکام وسلاطین کے بارے میں ہے جیسا کہ اھل السنۃ کے دلائل سے صاف واضح ہے۔۔۔ اس لئے معتزلہ کا یہ نقطہ نظر بھی قرآن وحدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے۔

فکرونظر

قومی یک جہتی کی تفہیم وتوسیع میں علماء دیو بند کا کردار

از: ابراراحمد اجراوی*

وطن عزیز ہندستان کے موجودہ تشویش ناک حالات، اہل فکر ونظر سے مخفی نہیں ہیں۔ رواداری، تحمل، برداشت اور اتحادو یک جہتی کا تصور مفقود ہوتا جارہا ہے، ایک خاص فلسفۂ زندگی کو ہر ہندستانی پر تھوپنے کے تانے بانے ترتیب دیے جارہے ہیں، فرقہ پرست طاقتیں ملک کے طول وعرض میں اپنے زہر آلود بیانات سے فرقہ پرستی کا زہر گھول رہی ہیں، اور اقلیتوں کی دل آزاری کرکے اس سیکولر اور عظیم جمہوری ملک کی فضا کو مکدر کررہی ہیں۔ ملک کے اطراف واکناف میں لو جہاد، تبدیلی مذہب، گھر واپسی، گئوکشی، دیش دروہی، دیش بھکتی، پاکستان نوازی کے تخریبی عنوان سے اس ملک کی تکثیریت اور وحدت کو زک پہنچانے کی کوشش عروج پر ہے۔ ملک میں بسنے والے مٹھی بھر شر پسند عناصر کو یہاں کی کثرت میں وحدت پر مبنی عظیم تاریخی روایات اور مشترکہ گنگا جمنی تہذیب وثقافت کے خدوخال کا صحیح علم نہیں۔ انھیں یہ معلوم نہیں کہ ایک کثیر قومی، کثیر لسانی اور کثیر تہذیبی جمہوری ملک میں ساری نسلی اکائیوں کے دستوری اور آئینی حقوق کیا ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ وہ فرقہ وارانہ خطوط پر اس ملک کی آبادی کی تقسیم اور اپنے سیاسی مفاد کی تکمیل کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔

فرقہ پرستی، نفرت وعداوت اور قوم ومذہب کے نام پر تفریق اور تعصب کی وجہ سے قومی یک جہتی اور سیکولرازم کا تصور کمزور پڑتا جارہا ہے اور عالمی پیمانے پر اس عظیم جمہوری ملک کی شبیہ داغ دار ہورہی ہے، ملک کے موجودہ عدم رواداری اور عدم تحمل کے ماحول کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فاشسٹ عناصر کو اس ملک کی مشترکہ تہذیب اور یہاں کی رواداری، بقائے باہم، صبر وتحمل پر مبنی تاریخی اقدار سے خدا واسطے کا بیر ہے، اقلیتوں کی عبادت گاہوں: مساجد، چرچ اور گرجا گھروں پر منظم حملے ہورہے ہیں، ملک کی اقلیتی اکائیوں کے ساتھ تشدد آمیز رویہ کی خبریں ملک کے طول وعرض سے موصول ہورہی ہیں۔ عدلیہ اور قانون کو بالائے طاق رکھ کر گئو ذبیحہ کو مدعا بنا کر انسانی ذبیحہ کا جواز پیدا کیا جارہا ہے، اس ملک کی اقلیتوں کو مختلف حیلے حوالے سے خوف وہراس کی چہار دیواری میں محصور کیا جارہا ہے؛ عقیدہ، اظہار رائے اور ضمیر کی آواز پر پہرے بٹھائے جارہے ہیں،

*ریسرچ اسکالر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی

دستور زباں بندی عام ہوتا جارہا ہے، مذہب اور فرقہ کے نام پر ملک میں نفرت کا زہر گھولا جارہا ہے؛ اس سے صرف ہندستان اور برصغیر میں ہی نہیں، ہماری ساکھ عالمی سیاسی پیمانے پر مجروح ہو رہی ہے۔ملک کے مذہبی طبقے کو خاص طور پر نشانہ بنایا جارہا ہے، اس لیے اس تناظر میں قومی یک جہتی کے تصور کو واضح کرنا اور اس کی اہمیت وافادیت سے ملک کے باشعور اور سیکولر اذہان کو آگاہ کرانا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔

قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کیا ہے؟ یہاں پر قومی یک جہتی کے تصور اور حقیقی خدوخال کو واضح کرنا ضروری ہے، تاکہ کسی غلط فہمی اور خلط مبحث کا اندیشہ نہ رہے۔قومیت اور یک جہتی دونوں مل کر ہندستان کی تہذیبی، لسانی، تاریخی اور رنگی ونسلی رنگارنگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔زبان وادب، رہن سہن، تصورات اور رسم و رواج میں اشتراک ویگانگت اور تہذیبی وثقافتی مظاہر میں مماثلت قومی یک جہتی کی تشکیل میں معاون ہوتے ہیں۔سیاسی اور قومی وحدت کا مفہوم ان ہی مماثلتوں سے برآمد ہوتا ہے اور پھر ہندستان کی مخصوص پہچان اور علامت، کثرت میں وحدت کا چہرہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔قومی یک جہتی کا مفہوم تمام حدود وقیود سے آزادی سے عبارت نہیں ہے، قومی یک جہتی نہ تو شخصی آزادی پر قدغن لگاتا ہے اور نہ ہی عقیدہ اور ضمیر کے معاملات سے اس کا رشتہ ہے۔قومی یک جہتی کا عقائد، مذہبی امور اور نجی معاملات سے کوئی علاقہ نہیں ہے؛ بلکہ اپنے مخصوص عقائد وفلسفہ پر عمل کرتے ہوئے ہندستانیت اور وطنیت وقومیت کے رنگ میں رنگ جانے کا نام قومی یک جہتی ہے۔ قومی یک جہتی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ملک کی دوسری اقلیتیں سکھ، عیسائی بدھ اور خصوصا مسلمان ملک کے اکثریتی طبقے کے رنگ میں رنگ جائیں، اقلیت اکثریت میں ضم ہو جائے اور ان کی تہذیب واقدار کو اپنا کر اپنی تہذیبی اقدار اور مذہبی شناخت سے یکسر دست کش ہو جائے۔قومی یک جہتی کا مطلب اس سے بہت مختلف، بڑا وسیع اور کئی جہات پر پھیلا ہوا ہے۔قومی یک جہتی کا مطلب ہے، مشترکہ امور اور مسائل میں ملک کی تمام مذہبی اور قومی اکائیوں کو اور بلا تفریق تمام شہریوں کو اپنے نظریہ وعمل میں یکسانیت پیدا کرنا اور وطن کی بنیاد پر ہمارے جو مشترکہ مسائل اور قومی وتہذیبی اقدار ہیں، ان کے بقا وتحفظ کے لیے مشترکہ اور متحدہ طور پر جدوجہد اور باہمی تعاون کرنا۔جدید تعلیم کے علم بردار اور بانی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سرسیدؒ نے بھی قومی یک جہتی کی یہی تعریف کی ہے، سب سے پہلے قوم کے وسیع مفہوم کی انھوں نے اس طرح تشریح کی ہے۔ایک تقریر میں کہتے ہیں:

’’لفظ قوم سے میری مراد ہندو اور مسلمان دونوں سے ہے یہی وہ معنی ہیں جس سے میں لفظ نیشن (قوم) کی تعبیر کرتا ہوں۔‘‘

اپنے اس نقطۂ نظر کی وضاحت تفصیل کے ساتھ ایک دوسرے خطبے میں یوں کرتے ہیں:

''درحقیقت ہندوستان میں ہم دونوں باعتبار اہل وطن ہونے ایک قوم ہیں اور ہم دونوں کے اتفاق اور باہمی ہمدردی اور آپس کی محبت سے ملک کی اور ہم دونوں کی ترقی و بہبودی ممکن ہے اور آپس کے نفاق اور ضد وعداوت، ایک دوسرے کی بدخواہی سے ہم دونوں برباد ہونے والے ہیں۔''

مگر سرسید کے نزدیک بھی قومیت میں اشتراک کا مطلب اپنی شناخت اور مذہبی وملی پہچان سے محروم ہوجانا نہیں تھا۔ کہ مسلمان یا کوئی دوسری مذہبی اکائی اپنی مذہبی شناخت کو چھوڑ کر ہندوانہ یا کوئی اور رسم ورواج اختیار کرلے۔ چناں چہ اپنے ایک لکچر میں کہتے ہیں:

''یکتائی ویک جہتی سے میرا مقصد یہ نہیں کہ سب لوگ اپنے اپنے عقائد کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر ہوجائیں، یہ امر تو قانون قدرت کے خلاف ہے جو ہو نہیں سکتا۔''

قومی یک جہتی کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے، اس سے پہلے بھی قومی یک جہتی کے تصور کو ملیا میٹ کرنے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر حملے کی کوشش کی گئی ہے اور جب بھی یہاں کے مشترکہ تہذیبی اقدار کو جنونیوں نے نشانہ بنایا ہے، مدارس کے بوریہ نشیں علماء نے ایسے عناصر کے دست وبازو پکڑنے کا حوصلہ دکھایا ہے۔ اس حوالے سے علمائے دیوبند نے جو کلیدی رول ادا کیا ہے، وہ ہندستانی تاریخ کے اوراق میں جلی حروف میں درج ہے۔ متحدہ قومیت کے تصور کے نقش ونگار کو ابھارنے اور مشترکہ مسائل پر توافق وتطابق پیدا کرنے کے لیے ہمارے اکابرو اسلاف نے ہر دور میں زوردار اور طاقت ور آواز اٹھائی ہے۔ سب سے پہلے از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے قومی یک جہتی کو روبہ عمل لانے کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی تھی۔ مولانا نے اپنے ذہن رسا سے اس نکتے کو دریافت کرلیا تھا کہ ایک کثیر قومی، کثیر لسانی اور کثیر ثقافتی ملک میں گروہی، جماعتی اور مذہبی اختلافات کسی بھی طرح مفید نہیں ہیں۔ اس لیے انھوں اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے ''بتان رنگ وبو کو توڑ کر وطن میں گم ہوجانے'' کی پرزور صدا لگائی ہے۔ ایک موقع پر انھوں نے کہا تھا:

''فی زمانا کفار کا غلبہ ہے۔ وقت نہیں ہے کہ مسلمانوں میں تفریق کو ہوا دی جائے، جس سے ان کا کلمہ متفرق ہوکر مزید ضعف پیدا ہو، بلکہ توڑنے کے بجائے جوڑنے کی فکر کی جائے۔'' (سوانح قاسمی، ج:۱، ص:۴۸۰)

تحریک ریشمی رومال کے بانی اور دارالعلوم دیوبند کے اولین طالب علم اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بانی، مجاہد

آزادی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے آزادی سے بہت پہلے قومی یک جہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے حوالے سے پیدا ہونے والے مستقبل کے خطرات اور اندیشوں کو بھانپ لیا تھا۔ چناں چہ جمعیۃ علماء ہند کے عمومی اجلاس (منعقدہ نومبر ۱۹۲۰ء) کے آخری دن مولانا نے اجلاس کی کارروائیوں کے بحسن وخوبی اختتام تک پہنچنے پر جہاں تشکر کا اظہار کیا اور منظور شدہ تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی اپیل کی، وہیں اس تحریری بیان میں ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کرتے ہوئے انھوں نے یہ بھی کہا تھا:

''کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر تعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں موید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں کے اتفاق واجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو ناممکن بنا دے گی اور دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا۔ اور اسلامی اقتدار کا اگر کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ ہماری بداعمالیوں سے حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ اس لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر اگر صلح وآشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ کتنی ہی بڑی طاقت ور ہو ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر واستبداد سے شکست کر سکے گی۔'' (شیخ الہند مولانا محمود حسن: ایک سیاسی مطالعہ، ابوسلمان شاہ جہاں پوری (مرتب)، ص: ۲۱۵-۲۱۶، فرید بک ڈپو نئی دہلی، ۲۰۱۱ء)

سلطان القلم اور اپنے عہد کے مشہور عالم دین مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی اپنے ایک مضمون میں قومی و وطنی تہذیب پر شرح وبسط کے ساتھ علمی انداز میں مدلل گفتگو کی ہے۔ انھوں نے مختلف انبیا حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت لوط علیہم السلام کی قوم سے بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے جب قرآن میں مذکوران پیغمبروں سے ان کی قوم کے عقائد واعمال اور خیالات ومسلمات قطعی مختلف تھے، اس کے باوجود ان اقوام کا انتساب ان پیغمبران حق کی طرف کیا گیا۔ انھیں قوم نوح، قوم ہود اور قوم لوط سے خطاب کیا گیا۔ اس بنیاد پر انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قومی وحدت کے لیے نہ وطنی وحدت کی ضرورت ہے نہ نسلی اتحاد کی، نہ زبان کی

یکسانیت ضروری ہے۔ بلکہ جس خطے میں بھی کسی پیغمبر وقت کو کسی نسلی اکائی کی اصلاح وارشاد کے لیے بھیجا گیا ہے، وہ سب ایک قوم ہیں۔ لکھتے ہیں:

"پھر قرآن نے کس بنیاد پر ان جماعتوں اور امتوں کو ان مختلف پیغمبروں کی قوم قرار دیا؟ اس کے سوا اور کیا تھا کہ جو پیغمبر انسانوں کی جس جماعت کی اصلاح واحیاء کے لئے کھڑا کیا جاتا تھا، وہی لوگ اس کی قوم قرار دئے جاتے تھے۔ اب اگر اسی بنیاد پر، ہندوستان کے مسلمان، ہندوستان کے ان تمام باشندوں کو جن کی ہدایت وارشاد، ان کا دینی فریضہ ہے اور جن کو اندھیرے سے روشنی میں لانے کے لئے، مسلمانوں کی ایک جماعت، گنگا اور جمنا کے کنارے، کرشنا اور گوداوری کی وادیوں میں آباد کی گئی۔ ان کے اسلاف اس غرض سے اس ملک میں آئے۔ اگر مسلمان ان ساری جماعتوں کو اپنی قوم قرار دیں، تو قرآن کی اصطلاح سے کیا اس کی توثیق نہیں ہوتی؟ یقیناً اس بنیاد پر ہندی مسلمانوں کی قوم، ہندوستان کے قدیم قبائل ڈراویڈی، کول اور بھیل بھی ہیں، آریہ اور راجپوت بھی ہیں، کائستھ اور برہمن بھی ہیں کہ ان ہی لوگوں کے لئے، ان ہی کی اصلاح ودرستی کے لئے اس ملک میں وہ آئے اور ہندوستان میں قیام کیا۔ یقیناً اسی اصلاح کی بناپر چینی مسلمانوں کی قوم، چین ہی کے وہ باشندے ہیں جن کی طرف چین کے مسلمان مبعوث تھے اور قسطنطنیہ وتھیرس، بلقان، البانیہ، ہرزی گونیا و بوسنیا کے مسلمانوں کی قوم، یورپ کے وہ باشندے ہیں جو ان ملکوں میں ان کے ساتھ آئے ہیں۔ قازون وسرائے باغچہ کے مسلمانوں کی قوم روس کے وہ باشندے ہیں، جن کے درمیان مسلمانوں کی یہ جماعت آباد ہوگئی ہے۔ مصری مسلمانوں کی قوم ان زمینوں کی رہنے والی ہے جوار دگرد ممالک میں رہتے ہیں اور جن کو اسلام کی دعوت دینا ان کا قرآنی فریضہ ہے۔" (مضامین مولانا گیلانی، مظفر گیلانی (مرتب) ص: ۱۱۷-۱۱۸، بہار اردو اکادمی پٹنہ، ۱۹۸۶ء)

اور پھر اس طویل بحث سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الغرض قوم کے لفظ کو قرآن نے جس مفہوم میں استعمال کیا ہے، ہم کبھی غلطی نہیں کریں گے، اگر اس قرآنی اصطلاح کو پیش نظر رکھ کر ہندوستان کے ہندوؤں، بودھوں، جینیوں اور اچھوتوں کو ہم اپنی قوم قرار دیں اور اسی تبلیغی علاقہ کی وجہ سے اگر ہندی مسلمان،

ہندؤوں کے بھائی اور ہندوان کے بھائی سمجھے جائیں،تو قرآن سے بجز اس دعوی کے اور کس دعوی کی توثیق ہوسکتی ہے؟'' (مضامین مولانا گیلانی،ص:۱۱۸)

عظیم مجاہد آزادی اور دار العلوم دیو بند کے سابق شیخ الحدیث،مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی اپنے استاد حضرت شیخ الہند کے نقش قدم کی پیروی کی اور اپنی تمام تر اسلام پسندی کے باوجود،قوم کی بنیاد پر نہیں، بلکہ وطنیت کی بنیاد پر متحدہ قومیت کی تعمیر کی بات کی تھی۔ان کے اس تاریخی،اور جرأت مندانہ بیان کا کہ''اقوام اوطان سے بنتی ہیں''متحدہ قومیت اور قومی یک جہتی کے عظیم تاریخی تصور کو تقویت بخشنے میں کلیدی رول رہا ہے۔گرچہ ان کے اس بیان سے اول وہلہ میں ایک نئے سیاسی اور مذہبی تنازعے نے جنم لیا تھا اور صرف عوام الناس ہی میں چہ میگوئی عام نہیں ہوگئی تھی، بلکہ مشہور مشرقی شاعر ڈاکٹر علامہ اقبال بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔مگر بعد میں جب ان کے بیانات کی روشنی میں حقیقت حال ان پر منکشف ہوئی،انھوں نے حضرت مدنی کے موقف سے اتفاق کیا تھا۔اور خطوط کے ذریعے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کرلیا تھا۔حضرت مدنی نے متحدہ قومیت کے تصور کو اسلامی اور تاریخی بنیادوں پر مدلل کرنے اور اس کو ملک کے طول وعرض میں ایک قدر مشترک کے طور پر متعارف کرانے کے لیے''متحدہ قومیت اور اسلام''نام کا ایک کتابچہ بھی لکھا تھا۔جس میں مولانا نے مذہب کی آڑ میں علاحدگی پسندی کی تحریک کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا ہے۔

بہار کے گاندھی کے لقب سے مشہور اور مشہور سیاسی رہ نما عظیم مجاہد آزادی اور قوم پرست عالم دین مولانا مظہر الحق (۱۸۶۶۔۱۹۳۰ء) بھی تاعمر قومی یک جہتی کے فروغ اور ہندو مسلمان دونوں کو مشترکہ پلیٹ فارم پر لانے کے لیے کوشاں رہے۔۱۹۰۸ء میں گیا میں بہار کانگریس کی جو ریاستی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں مولانا کی شب وروز تگ ودو کی وجہ سے ہی ہندو مسلم اتحاد کا زبردست مظاہرہ دیکھنے کو ملا۔اور دونوں قوموں نے کانفرنس کے انتظام وانصرام سے لے کر اس کو کام یاب بنانے تک کے عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔مولانا مظہر الحق نے کئی عوامی پروگرام میں اس ملک کی دونوں بڑی قوموں کو نفع ونقصان میں شریک ومساوی قرار دیا۔ان کا یہ قول تو بہت مشہور ہے،جو انھوں نے ۱۹۱۶ء میں کانگریس کی لکھنؤ کانفرنس کہا تھا:

''ہندو مسلم ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں،ڈوبیں گے تو ساتھ پار لگیں گے تو ساتھ۔''

ہندستان ایک کثیر ثقافتی اور کثیر مذہبی ملک ہے،اس ملک میں بہت سی قومیں آباد ہیں،اس دھرتی پر بہت سے مذاہب کے ماننے والے رہتے ہیں،ہر قدم پر قومیت،نسل اور زبان تبدیل ہوجاتی ہے۔یہاں کی مٹی میں اجتماعی مزاج کی خوشبو رچی بسی ہے،یہاں کثرت میں وحدت کے فلسفہ پر ہی عمل کیا جاسکتا ہے۔قومی یک جہتی

کے اسی تصور کو فروغ دے کر ملک کی سالمیت، اس کے اتحادی ڈھانچے اور اس کی سرحدوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جاسکتا ہے اور اسی راہ سے اس جمہوری ملک کو قوم اور مذہب اور رنگ ونسل اور زبان وعلاقہ کی بنیاد پر اختلاف اور تفریق کے مسئلے سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔ ہندوستان میں اتنی قومیں اور اتنے مذاہب آباد ہیں کہ یہاں نیشنلزم اور متحدہ قومیت کے تصور کے علاوہ کوئی دوسری پر امن اور قابل قبول راہ بھی نظر نہیں آتی۔ علاقہ اور زبان و مذہب کی بنیاد پر یہاں کوئی تحریک اور کوئی تنظیم نہ ماضی میں کامیاب ہوسکی ہے نہ مستقبل میں کامیاب ہوسکے گی۔ یہاں ہندو مسلم دونوں کے ایک ساتھ قیام اور ان کی مشترکہ تہذیبی اقدار کا فیصلہ آزادی سے بہت پہلے ہوگیا تھا۔ اسی لیے ہمارے رہنماؤں اور مجاہدین آزادی نے جب دستور اور آئین کی تشکیل کی تھی، اس وقت بھی انھوں نے متحدہ قومیت اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے تصور کو تقویت بخشنے کے لیے جمہوری اور سیکولر طرز حکومت کو ہی منتخب کیا اور آئین میں سارے اقوام و مذاہب کو ضمیر اور عقیدہ کی آزادی دی، تاکہ یہاں ساری قومیں اور سارے مذاہب اپنے عقائد اور مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے میں تو آزاد رہیں، مگر مشترکہ امور و مسائل اور قومی وتہذیبی اقدار کے تحفظ کے وقت تسبیح کی طرح ایک لڑی میں پرو دیے جائیں۔ ہندستان میں اتنی قومیں اور اتنے مذاہب کے پیرو کار رہتے ہیں کہ قومی یک جہتی اور متحدہ قومیت اور فرقہ وارنہ ہم آہنگی اور بقائے باہم کے فارمولے سے بہتر کوئی دوسرا فارمولہ اور نظریۂ حیات قابل قبول ہو ہی نہیں سکتا۔ علاقائیت اور صوبائیت یا رنگ و نسل اور مخصوص زبان کی بنیاد اس ملک کے لیے سم قاتل ہے۔ اس ملک کی رنگا رنگی ہی اس کی پہچان ہے۔

علمائے دیوبند اور ہمارے اکابر واسلاف ہمیشہ قومی یک جہتی کے اصول پر کاربند رہے ہیں۔ ان کا ہمیشہ یہی موقف رہا ہے کہ ایک دوسرے کے مذہبی حدود میں کسی قیمت پر مداخلت نہ کی جائے، دوسروں کے مذہبی جذبات وخیالات کو مجروح نہ کیا جائے، مگر مشترکہ قومی اور وطنی مسائل وامور میں یہاں کی ساری قومیں اتحاد و اشتراک اور تعاون کا مظاہرہ کریں۔ اسی میں ہمارے ملک اور ساری مذہبی اور قومی اکائیوں کی فلاح کا راز مضمر ہے اور اسی طرح ہمارا ملک ترقی کی وسیع شاہ راہ پر دور تک چل سکتا ہے اور نہ صرف برصغیر میں بلکہ عالمی پیمانے پر ہمارا وطن اپنی شناخت مستحکم کرسکتا ہے۔ اور کسی امریکی یا برطانوی صدر مملکت یا حکمراں کو ہمارے ہی ملک میں ہمیں یہ نصیحت کرنے کی ہمت وجرأت نہ ہوگی کہ ہندستانیوں کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے اصول کو مضبوطی سے تھامنا چاہیے اور ہندو مسلم، سکھ عیسائی کے درمیان مساوات اور برابری کا معاملہ روا رکھنا چاہیے۔ نہ ہمیں موڈیز جیسے ادارے کو یہ کہنے کی ضرورت پڑے گی کہ ہندستان میں عدم رواداری کے بڑھتے رجحان کی وجہ سے موجودہ حکومت عالمی پیمانے پر اپنا اعتماد واعتبار کھوتی جارہی ہے۔

ہمیں یہ عہد کرنا ہے کہ ہم قومی یک جہتی کے فروغ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے قیام کے اصول پر کاربند

رہیں گے اور دوسروں کے مذہب، ضمیر اور عقیدہ کی آزادی پر حملہ نہیں کریں گے۔ اور ذاتی مفاد کی سطح سے اٹھ کر اجتماعی اور قومی مفاد کے تئیں مخلص اور وفادار رہیں گے اور مشترکہ امور و مسائل میں ہم تمام ہندستانی من حیث القوم ایک پلیٹ فارم پر متحد اور مجتمع رہیں گے؛ کیوں کہ من حیث الوطن ہمارا نفع ونقصان ایک ہی ڈور سے بندھا ہوا ہے۔ اسلام نے بھی پوری مخلوق خدا کو ایک کنبہ قرار دیا ہے اور وہ ہمیشہ اجتماعیت، اشتراک اور اتحاد کا مضبوط داعی رہا ہے۔ مذہب اسلام نے کبھی انتشار اور علاحدگی کی کوکھ سے جنم لینے والے عناصر کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے، اسی قومی یک جہتی کی تعمیل کا نتیجہ تھا کہ علمائے اسلام نے تحریک آزادی میں سرفروشانہ حصہ لیا، وہ انگریزوں کی تخویف وتہدید کو خاطر میں لائے بغیر مجاہدین آزادی کے شانہ بشانہ چلتے رہے۔ انھوں نے ملک کی آزادی کے لیے کسی بھی قسم کی قربانی سے گریز نہیں کیا۔ مولانا قاسم نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مفتی کفایت اللہ، وغیرہ علمائے دیوبند کی صف کے ایسے نام ہیں، جنھوں نے اپنے مذہب پر عمل کرنے میں کسی تساہل اور مداہنت سے کام نہیں لیا، مگر جب برطانوی سامراج کے خلاف معرکۂ دار ورسن گرم ہوا، تو اس میں حصہ لینے کے معاملے میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم ان کے اقوال وکردار کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں اور قومی یک جہتی کے اصول وضوابط پر کاربند ہوجائیں۔ کثرت میں وحدت اور مشترکہ امور و مسائل میں باہمی اشتراک اس ملک کی مٹی میں شامل ہے۔ ہم اس کو نظر انداز کر کے نہ صرف اپنے مجاہدین آزادی کی روح کو تکلیف پہنچانے کے گناہ کے مرتکب ہورہے ہیں، بلکہ اس سے آئینی دفعات کی بھی پامالی ہورہی ہے۔ اس سے عالمی پیمانے پر ہماری ساکھ متاثر ہورہی ہے اور عزت مآب صدر جمہوریہ کو عدم رواداری کی فضا کو دیکھ کر بار بار اپنی زبان کھولنے اور سیاسی رہ نماؤں کو یہاں کی تکثیریت اور رنگارنگ تہذیبی اقدار کی یاددہانی پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ اس ملک کی بقا فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کے فلسفے میں مضمر ہے۔ ہندستان ایک چمنستان کی طرح ہے، جس میں نوع بنوع کے پھول کھلے ہیں اور انہی پھولوں سے ہندستانی گل دستہ تیار ہوتا ہے۔ ہندو اور مسلمان صرف مذہبی امتیاز کی علامت ہیں، اس کا قوم ووطن کے مطالبات سے جداگانہ تصور ہے۔ یہ دھرتی رام اور رحیم دونوں کی ہے۔ ہندو مسلم، سکھ عیسائی، سب اس ملک کی نسلی اکائی ہیں، سبھی کے اپنے بنیادی حقوق ہیں، کاش کہ ہم اپنے ملک کی تاریخ اور اس کے وسیع قومی پس منظر میں جھانک کر دیکھیں اور یہاں کی وحدت، سالمیت اور یک جہتی کو پارہ پارہ کرنے والے اقدام سے توبہ کرلیں۔

(بہ شکریہ ترجمانِ جمعیت، ماہ فروری ۱۷ء)

نقد وتبصرہ

نقد وتبصرہ

نام کتاب: مجالس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصنف: مولانا محمد الیاس محی الدین بھٹکلی ندوی

صفحات: ۲۷۰ قیمت: درج نہیں، معیار: نہایت عصری وعمدہ

رابطہ کیلئے: nadviacademy@hotmail.com مبصر: م،ع،ق

یہ کتاب دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف ارشاداتِ عالیہ کی اصلاحی مجالس کی صورت میں تدوین ہے؛ مولانا الیاس محی الدین صاحب ندوی زید مجدہٗ ماشاءاللہ متفکر اور متحرک عالمِ دین ہیں، علمی وعملی ذوق کے ساتھ ساتھ اُمت کی صلاح وفلاح کا غم بھی رکھتے ہیں، بزرگوں سے تعلق بھی ہے، اسی وجہ سے فکر میں اعتدال بھی ہے، اس کتاب میں انہوں نے احادیثِ معتبرہ سے مروی واقعات کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ارشادات کو عام فہم انداز میں اس طرح جمع کیا ہے کہ ان سے استفادہ بھی آسان ہوجائے، دل چسپی اور جذبہ عمل بھی بیدار ہو۔

اس عاجز نے اس کتاب کا کہیں سرسری اور کہیں تفصیل سے مطالعہ کیا ہے الحمدللہ نہایت نافع پایا، کتاب پر حضرت مولانا رابع ندوی مدظلہ العالی کی تحسین وتائید کتاب کے معتبر ومفید ہونے کے لئے کافی ہے۔

نام کتاب: جنگ میں اسلامی اخلاق مصنف: محمد اقبال ابوبکر ندوی

مترجم: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی صفحات: ۲۴۰

قیمت: ۱۸۰/روپئے ناشر: معہد الامام حسن البناء، ۱۳ بھٹکل کرناٹک

مبصر: م،ع،ق

اسلام دینِ فطرت ورحمت ہے، انسانوں کا خالق الرحمٰن ہے، تو اُن کی ہدایت کے لئے مبعوث کی جانے والی مبارک ہستی بھی سراپا رحمت ہے، اسلامی تعلیمات سراسر عدل، راحت اور رحمت پر مبنی ہیں۔

جنگ انسانی سماج کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، بہت سی چیزیں ناپسندیدہ اور نقصان دہ ہونے کے باوجود بسا اوقات اجتماعی منفعت یا بڑے نقصان سے بچنے بچانے کے لئے اختیار کرنی پڑتی ہیں، ان کے جواز پر دنیا کے تمام عقلاء اور ادیان متفق ہیں۔

اسلام نے بھی جو بوقتِ ضرورت جنگ کی اجازت دی ہے، جسے اسلامی اصطلاح میں ''جہاد وقتال'' سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے بہت سے فضائل ہیں اور ضرورت کے موقع پر اس سے انکار و پہلوتہی بڑی معصیت قرار دی گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام نے یہ اہتمام کیا ہے کہ ضرورت پر اختیار کئے جانے والے اس انتہائی اقدام کا نفسانی اغراض کے لئے اور انسانی اغراض کے خلاف استعمال نہ ہونے پائے، اس لئے بہت ہی سخت احکام کا پابند کیا گیا ہے، جس کا اندازہ کرنے کے لئے ان احکام کا جاننا بہت ضروری ہے۔

آج میڈیا جس شد و مد اور پورے وثوق کے ساتھ لفظ ''جہاد'' کا غلط تعارف کرا رہا ہے اور اُسے دہشت گردی کا بے مفہوم نام دے رکھا ہے اُسے یا تو اسلامی جہاد کی حقیقت کا پتہ نہیں یا جان بوجھ کر تجاہل برتا جا رہا ہے ورنہ جو بھی عقل مند اور منصف مزاج آدمی اسلام کی ''اخلاقیاتِ جنگ و جہاد'' کا مطالعہ کرے گا اور اسلامی جنگوں کا غیر اسلامی جنگوں سے تقابل کر کے دیکھے گا اس کا ضمیر پکار اُٹھے گا کہ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق کی جانے والی جنگ بھی انسانیت کے حق میں ''رحمت'' ہے۔

جی چاہتا تھا کہ اس موضوع پر کام ہونا چاہئے، اللہ کا شکر ہے کہ اہل علم وقلم اس طرف توجہ دینا شروع کر دیئے ہیں، زیر تبصرہ کتاب بھی اس موضوع پر کامیاب کوشش ہے، ضرورت ہے کہ اس کا مختلف زبانوں میں بالخصوص انگریزی میں ترجمہ ہو اور مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں میں اس کی اشاعت کی جائے تا کہ سنجیدہ طبقہ —— جو ابھی اکثریت میں ہے —— میڈیا کے گمراہ کن پروپگنڈہ سے محفوظ رہ سکے اور انہیں پتہ چل سکے کہ دنیا کی اقوام کا تصورِ جنگ اور ہے اور اسلام کا تصورِ جنگ اور!

کتاب: خدمت خلق: فضیلت، اہمیت، ضرورت

مولف: حافظ محمد عبدالمقتدر عمران (انچارج شعبہ نشر واشاعت صفا بیت المال انڈیا)

صفحات: ۱۶۰ قیمت: ۱۰۰ روپئے

رابطے کیلئے: 9908079301

مبصر: مولانا محمد عبدالرشید طلحہ قاسمی (استاذ ادارہ اشرف العلوم)

خدمت خلق انسانی ضرورت بھی ہے اور اہم ترین عبادت بھی، رب ذوالجلال کے نظامِ ربوبیت کا اعلان بھی ہے اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رافت و رحمت کا مظہر بھی۔

افراد انسانی کے درمیان تعاون و ہمدردی اور محبت و خیر خواہی کا جذبہ، عصر حاضر میں سماجی استحکام، معاشرتی امن وسکون، اور معاشی ترقی وخوش حالی کے لئے از حد ضروری ہے؛ اسی لئے اسلام نے باہمی اخوت و رواداری اور بے لوث ہمدردی وخیر خواہی کو اعلیٰ انسانی اوصاف کا جزو لاینفک قرار دیا نیز الخلق عیال اللہ کے ذریعہ خدمت خلق کا ایسا جامع تصور پیش کیا کہ تلاش بسیار کے باوجود دنیا کے کسی مذہب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی؛ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اس کی بہت زیادہ اہمیت وفضیلت بتلائی گئی اور اس اہم فریضے کی ادائیگی پر مسلمانوں کو مختلف انداز وطریقے سے ابھارا گیا۔

زیر تبصرہ کتاب ''خدمت خلق: فضیلت، اہمیت، ضرورت'' بھی اسی جذب دروں اور سوز فزوں کے ساتھ لکھی گئی ہے؛ جو اپنے موضوع پر مدلل وجامع ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم اور آسان بھی ہے۔ دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ معیار طباعت وکتابت کے علاوہ اکابر واسلاف کی تقریظات سے آراستہ ومزین ہے۔

مولف کتاب، برادر عزیز حافظ محمد عبدالمقتدر عمرانؔ، جہاں شعبہ نشر واشاعت وشاخہائے صفا بیت المال انڈیا کے نگران وانچارج ہیں وہیں ایک اچھے مضمون نویس اور مراسلہ نگار بھی ہیں؛ جن کے مضامین ومراسلات ملک وریاست کے متعدد روزناموں میں شائع ہوکر داد تحسین حاصل کرتے رہتے ہیں۔

۱۶۰ رصفحات پر مشتمل اس کتاب میں ۹ باب ہیں، پہلے باب میں قرآن کریم کی وہ آیتیں لی گئیں؛ جن سے خدمتِ خلق کی فضیلت واہمیت اجاگر ہوتی ہے، دوسرے باب میں خدمتِ خلق کی فضیلت واہمیت کو احادیث مبارکہ سے ثابت کیا گیا ہے، بعد کے ابواب میں سیرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند واقعات وحالات کو ایسے ہی حضراتِ خلفاءِ راشدین کے کارناموں اور دیگر صحابۂ کرام وبزرگانِ دین کے مثالی حکایات کو شامل کیا گیا ہے؛ کتاب کو مزید جامع ونافع بنانے کی غرض سے خدمتِ خلق سے متعلق اولیاء کاملین وسلفِ صالحین کے اقوال وفرمودات کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ کتاب کو حقیقی مقبولیت نصیب ہو، امتِ مسلمہ میں پنہاں خدمتِ خلق کے عظیم جذبات واحساسات کو عملی مہمیز لگانے میں موصوف کی یہ کاوش ثمر آور ہو اور مولف کو مزید دینی وعلمی خدمات کی توفیق ملے۔

فقہ وفتاویٰ

چند متفرق مسائل

ادارہ

بوقتِ وداع خدا حافظ کہنا کیسا ہے؟

سوال: عام طور پر لوگ گھر سے باہر نکلتے وقت وداعیہ کلمات کے طور پر اہل خانہ کو خدا حافظ کہتے ہیں، کیا رخصت ہوتے وقت ''السلام علیکم'' کے بجائے ''خدا حافظ'' کہا جاسکتا ہے؟

جواب: یہ رسم ناجائز ہے، اگر ''السلام علیکم'' کے بجائے ''خدا حافظ'' کہا تو شریعت کی تحریف ہے، اور اگر السلام علیکم کے ساتھ کہا تو شریعت پر زیادتی ہے، البتہ اگر سلام وداع سے الگ خدا حافظ اور کبھی کچھ اور دعائیہ کلمات کہہ دیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں مگر انہی الفاظ کے التزام سے واضح ہے کہ موقعۂ وداع کیلئے اپنی طرف سے مخصوص الفاظ متعین کئے جارہے ہیں جس کا دین میں زیادتی ہونا ظاہر ہے، اور اگر یہ اصطلاح کسی غیر قوم سے لی گئی ہے تو اور بھی زیادہ قبیح (بُری) ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱/ ۳۸۵)

سجدہ سہو کا لزوم

سوال: سجدہ سہو کن چیزوں سے لازم آتا ہے اور کس طرح کرنا چاہیئے؟

جواب: سجدۂ سہو کے واجب ہونے کا اصول یہ ہے کہ فرض کی تاخیر سے یا واجب چھوٹ جانے سے یا واجب کی تاخیر سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ آخری قعدہ کی التحیات میں، عبدہ ورسولہ تک پڑھ کر ایک طرف سلام پھیر دیں، پھر دو سجدے کر کے دوبارہ التحیات پڑھیں اور درود شریف اور دعائے ماثورہ کے بعد سلام پھیریں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۳۶۳)

سجدہ میں دعا مانگنا

سوال: سجدہ میں جا کر دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس طرح کا سجدہ سجدۂ مناجات کہلاتا ہے، اس کے بارے میں بعض علماء دین کا قول ہے کہ

مکروہ ہے، مشکوۃ شریف کی شرح ''اشعۃ اللمعات'' میں ہے کہ ''سوم سجدۂ مناجات بعداز نماز وظاہر کلام اکثر علماء آنست کہ مکروہ است (اشعۃ اللمعات: ۱/ ۲۶۰، شرح سفر السعادۃ ص:۱۵۹) لہذا اس کی عادت بنالینا غلط ہے، دعا اور مناجات کا مسنون طریقہ جس کی مسنونیت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اس کو ترک کر کے اختلافی طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے، سجدہ میں دعا کرنے کی جو روایت ہے اس کے متعلق شرح سفر السعادۃ میں ہے کہ'' وآنکہ در احادیث آمدہ است کہ آنحضرت علیہ السلام در سجدہ اطالت میفر مود و دعا بسیار میکرد مراد بداں سجدۂ صلاتیہ است (ص:۱۵۹) یعنی حدیثوں میں جو وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ طویلہ فرماتے اور بہت دعا کیا کرتے تھے اس سے مراد وہی سجدہ ہے جو نفل نماز میں کیا کرتے تھے، پس تہجد کے سجدہ میں وہ دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۲۳۳)

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا

سوال: کوئی آدمی ایک مسجد کی قالین دوسری قریب والی مسجد میں دے دے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب: مسجد کا سامان دو قسم کا ہوتا ہے، ایک وہ جس کا تعلق مسجد کی بنا کے ساتھ ہو جیسے اینٹیں، گارڈر، دروازے وغیرہ اُسے انقاض المسجد کہا جاتا ہے، ایسے سامان کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد آباد ہے اور اس میں نماز پڑھی جاتی ہے تو اس مسجد کا ایسا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں، ان کو بعینہا یا بیچ کر ان کی قیمت اسی مسجد میں صرف کی جائے۔

اور اگر مسجد غیر آباد ہو جائے کہ کوئی بھی اس میں نماز نہیں پڑھتا، مثلاً گرد و نواح کے لوگ وہ علاقہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسے ہوں جس کی وجہ سے مسجد بالکل ویران ہوگئی ہو تو ایسی حالت میں اس مسجد کی اینٹیں، گارڈر اور دروازے وغیرہ مسلمانوں کی جماعت کے متفقہ فیصلہ سے دوسری مسجد کی طرف نقل کئے جاسکتے ہیں۔

مسجد کا دوسری قسم کا سامان جس کا بناءِ مسجد میں کوئی دخل نہیں، جیسے چٹائی اور فانوس وغیرہ اُسے آلات المسجد کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مسجد میں ضرورت نہیں تو اس کا دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ واقف بھی اجازت دے، اس لئے کہ ایسا سامان بوقتِ استغناء ملک واقف میں عود کر آتا ہے، لہذا واقف کا اذن (اجازت) ضروری ہے۔

(احسن الفتاویٰ: ۶/ ۴۲۶)

خبرنامہ

عالم اسلام کی خبریں

مولانا ابوالولید قاسمی*

ایران، عالمی دہشت گردی کا مددگار: عادل الجبیر

سعودی عرب کے وزیر خارجہ نے ایران کی جانب سے مذاکرات کی اپیل کو مسترد کر دیا۔اس کا کہنا ہے کہ تہران دنیا میں دہشت گردی کا سب سے بڑا مددگار ہے اور مشرق وسطیٰ میں عدم استحکام پہنچانے والی طاقت ہے اور وہ ہم کو تباہ کرنا چاہتا ہے، دنیا بھر میں دہشت گردی کی حوصلہ افزائی میں ایران ہنوز سب سے بڑی طاقت ہے۔عادل الجبیر نے کہا: جب تک ایران اپنے طرز عمل میں تبدیلی نہیں لائے گا ایسے ملک کے ساتھ معاملت کرنا مشکل ہے، بین الاقوامی برادری کو واضح طور پر لائحہ عمل کی ضرورت ہے تا کہ ایرانی کاروائیوں کو روکا جا سکے۔ (روزنامہ منصف، ۲۰؍فروری ۲۰۱۷ء)

”بابا مجھے بچا لیجئے“ ... زخموں سے چور شامی لڑکے کی پکار!

شام کے مغربی ادلب صوبہ کے البیت ٹاون میں ایک ۹ رسالہ لڑکا عبدالباسط سرکاری افواج کے ایک بیرل بم حملہ کی زد میں آ گیا۔حملہ میں زخمی ہونے کے بعد یہ کمسن لڑکا اپنے والد کو پکار رہا تھا اور وہ بیٹھنے کے لئے جدجہد کر رہا تھا کیوں کہ اس کا بایاں پیر خون میں لت پت تھا، عبدالباسط فریاد کر رہا تھا کہ ”بابا مجھے بچا لیجئے، بابا مجھے بچا لیجئے“ میرا جسم ٹوٹ چکا ہے، میرا خون بہہ رہا ہے، بابا مجھے اٹھا لیجے، بابا مجھے اٹھا لیجئے! بیرل بم حملہ کی زد میں دونوں پیروں سے محروم عبدالباسط بلکتے ہوئے باپ سے دہائی کرتا رہا۔بیرل بم کی برسات نے عبدالباسط کی بہن اور ماں کو بھی چھین لیا۔اپنے گھر کا چراغ ٹمٹما تا دیکھ کر باپ نے ریزہ ریزہ دل کے ساتھ نعرۂ تکبیر پڑھا اور اپنے بیٹے کو کندھوں میں اٹھا لیا اس لڑکے کو ابتدائی علاج کے لئے ادلب شہر میں ایک دواخانہ کو لے جایا گیا بعد میں ترکی منتقل کر دیا گیا۔ (روزنامہ اعتماد، ۱۹؍فروری ۲۰۱۷ء)

فلسطینی مساجد میں اذان کیلئے لاؤڈ اسپیکر پر پابندی کے قانون کو اسرائیلی کابینہ کی منظوری:

اسرائیلی کابینہ نے بیت المقدس اور ۱۹۴۸ء کے مقبوضہ شہروں میں قائم مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال اور اذان پر پابندی کا متنازعہ قانون منظور کر لیا۔اس قانون کے تحت دن اور رات کے اوقات میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔عبرانی زبان میں نشریات پیش کرنے والے ٹی وی 7 کے مطابق اذان پر پابندی کا قانون کابینہ سے منظوری کے بعد پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے گا، پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد قانون نافذ العمل سمجھا جائیگا، کابینہ میں اذان پر پابندی کا قانون اسرائیلی کنیسٹ (پارلیمنٹ) کے بائیں بازو کے شدت پسند یہودی ارکان موتی ریگیو اور دوسرے عناصر نے پیش کیا تھا۔

(روزنامہ اعتماد، ۱۴؍فروری ۲۰۱۷ء)

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا